متاعِ حق

(شعری مجموعہ)

پروفیسر محمود عالم

210886

متاعِ حق

(شعری مجموعہ)

پروفیسر محمود عالم

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب : متاعِ حق
شاعر : پروفیسر محمود عالم
صفحات : ۲۷۲
تعداد : ۳۰۰
مطبع : گلشن پریس، لال کنواں، دہلی-۱۱۰۰۰۶
کمپوزنگ : ڈاکٹر شاردانصاری اور عبدالرحمٰن قریشی
سن اشاعت : جولائی ۲۰۲۲
قیمت : ۳۰۰ روپیہ

رابطہ کا پتہ : F-169, Omaxe Executive Floors, Sector 57,
Grugram 122011 (Haryana)
Mobile: 9810070938
Email: prof.m.alam@gmail.com

ملنے کا پتہ : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-۸۰۰۰۰۴
ناشر : گریٹ بک کنٹریکٹر، لال کنوان، دہلی-۱۱۰۰۰۶

ISBN: 978-93-85346-28-6
Great Book Contractor
1741, Rodgran, Lal Kuan
Delhi - 110006
Email: greatbookcontractor@gmail.com

اہلِ وفا تو پہلے بھی چڑھتے تھے دار پر
آج اس متاعِ حق کا طلبگار میں ہی ہوں

وقتِ پیری دوستوں کی بے رخی کا کیا گلہ
بچ کے چلتے ہیں سبھی گرتی ہوئی دیوار سے

انتساب

والدمرحوم عبدالحنان

اور

والدہ مرحومہ سیدہ نفیسہ

کے نام

شاعر کا سوانحی اشاریہ

نام	:	محمود عالم
قلمی نام	:	محمود
تاریخ ولادت	:	۱۷ر نومبر ۱۹۴۱ء
جائے ولادت	:	(پنجرواں) جہان آباد
والد کا نام	:	عبدالحنان
والدہ کا نام	:	سیدہ نفیسہ
تعلیم	:	پی ایچ ڈی (فارسی)
ملازمت	:	۱۔ نیشنل ڈیفنس اکیڈمی (NDA)، کھڑکواسلہ (پونہ) ۲۔ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۶۷
شریک حیات	:	شمیمہ رخسانہ
اولاد	:	منصور عالم عرف فیضی، مسعود عالم عرف رومی

پروفیسر محمود عالم صدرِ جمہوریہ ہند ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام

سے سرٹیفیکیٹ آف آنر ۲۰۰۶ حاصل کرتے ہوئے

پروفیسر محمود عالم سفیر جمہوری اسلامی ایران ڈاکٹر چگنی

سے آٹھواں سعدی انعام ۲۰۲۲ دریافت کرتے ہوئے

ترتیب

☆ شاعر کا سوانحی اشاریہ............ 6
☆ پیش گفتار............ 15
☆ متاعِ حق: فکر و فن کے آئینہ میں............ 25
☆ شہریارِ ملکِ سخن: پروفیسر محمود عالم............ 33
☆ حمد............ 35
☆ غزلیں............ 37
میں سدا سے عاشقِ زار تھا کبھی نور کا کبھی نار کا............ 38
اس کتابِ زندگی کا ہر ورق سادہ رہا............ 41
ضرورت ہے اگر ایثار کی حاضر ہے سر میرا............ 42
گل بداماں، گل سراپا، گل ہی گل ہے خوئے دوست............ 43
دشتِ جنوں میں بارہا منزل کے موڑ پر............ 45
بہتر ہے اپنے آپ کی ہم جستجو کریں............ 46
ہے اس کا حسن مجھے فخر ہے میں ناز کروں............ 47
اس شہرِ بے خطا میں خطاوار میں ہی ہوں............ 48
جو کرنا چاہو تو جذب و یقیں کی بات کرو............ 50
جب بھی یاد آئی مجھے اُس سے ملن کی خوشبو............ 51
کسی سے کوئی شکوہ ہے نہ دل میں کوئی نفرت ہے............ 53

مجھے مجبوریوں کا غم نہیں ہے 55

زمانے کا ہمیشہ ہم نے یہ دستور دیکھا ہے 56

کہوں کس سے قصۂ دردِ دل نہ تو ہم نفس نہ تو یار ہے 57

اس رس بھری دنیا میں احساس بلا کیوں ہے 58

اگر مجھ کو تری زلف سیہ کی روشنی ملتی 59

بے چین ہوا اور بھی دل اس کا زیادہ 60

وقت کے ساتھ چل نہیں سکتا 62

زمیں کو آسماں سمجھا، بتوں کو مہرباں سمجھا 63

نہ ہوں گے ہم تو پھر یہ چہرۂ گلفام کیا ہوگا 64

جو مسافر تھے سفر کے ان سے کیا شکوہ، گلہ 65

حوصلہ ہے تو جواں رکھ بہت کام آئے گا 66

رہِ زندگی میں اکثر ایسا مقام آیا 67

اک بار وہی دلبر و دلدار ملا تھا 69

آج کی ندیوں سے تم کو کیا بھلا مل جائے گا 70

چراغ لے کے بھی ڈھونڈا بھلا تو کیا ڈھونڈا 71

وہ کون وقت تھا قسمت نے تجھ سے ملوایا 72

آ تم کو بتاؤں میاں آدابِ سمندر 73

تم نے جانم کیوں دیا ہے خارِ گل 75

ہے زندگی کی دوڑ عجب دورِ زیر و بم 78

ترکِ لذّت شرط سمجھو نورِ عرفاں کے لیے 80

محمودؔ زندگی کے نشیب و فراز دیکھ 81

محبت بکتی ہو گر شہر میں ایسی دکاں ڈھونڈیں..............82
دو یار اہلِ دل ہوں، اور بادۂ کہن..............84
حاضر ہوا ہوں آج تیری انجمن میں میں..............85
ممکن ہے ڈگمگایا ہو، وہ بھوک پیاس سے..............86
عجیب شخص ہوں زخموں کو پھول کہتا ہوں..............87
مرے جنوں کو وہ وحشت کا نام دیتے ہیں..............89
ہزاروں چہرے مجھے اجنبی سے لگتے ہیں..............90
دورِ حاضر کی سیاست میں نے پہچانا نہیں..............92
بھرم تیری محبت کا بڑی مشکل سے ٹوٹا ہے..............93
نہیں حاصل سکونِ دل مجھے اس دارِ فانی میں..............94
دل خوش ہوا کہ آپ کو میری بھی فکر ہے..............95
دل پر نہ اختیار ہو جب آدھی رات میں..............97
ایک بار گر دستِ حاجت تم نے پھیلا ہی دیا..............99
ہر لمحہ زندگی کا تیری یاد میں گذرے..............100
آج کے اس دورِ پر آشوب میں ولی وہ ہے..............101
نسیمِ صبح نے غنچے سے مسکرا کے کہا..............102
ذرا آہستہ لے چل کاروانِ شعرِ حافظ کو..............103
سوکھے ہوئے زخموں کی گرہ کھول رہا ہے..............104
نگاہِ حسن جب گویا ہو تو تصویر بنتی ہے..............105
میرے مولا مرے لفظوں کو معانی دے دے..............106
اگر منزل کا جذبہ ہے تو خود تدبیر ملتی ہے..............107

میں نے تو کھول رکھی ہے ساری کتابِ عمر 108
ہم سفر کے ساتھ چلنا میری مجبوری بھی ہے 110
ہر ذرہ گل فشاں ہے نظر چور چور ہے 112
آئیں غریب خانہ پر تو شعر بھی سنیں 114
محافظ میرا ہی مجھ کو فریب دیتا ہے 116
بہت دنوں سے تڑپ ہے کہ شعر ایسا لکھوں 117
مجھ کو اگر ملی نہ دنیا کی بادشاہی 118
مجھے دشواریوں کا غم نہیں ہے 120
بہت نازک ہے شیشہ کی طرح دل ایک شاعر کا 122
تبدیلی میرے یار کے قلب و جگر میں ہے 124
ہے قلم کی مار اصلی جس سے ڈرنا چاہیے 125
ہمیشہ چاند کا چہرہ سیاہ ہوتا ہے 127
زمانے کا بڑا سب سے وہی انسان عاقل ہے 128
دوست جو بنتے تھے وہ غدّار ثابت ہو گئے 130
خوں ریزی ہر گام رہی ظلم و تشدد عام رہا ہے 132
ہر چار سو یہ شور بپا انجمن میں ہے 133
کل رات تاش بیٹھے ہوئے کھیل رہے تھے 134
یا علی کہہ کر اُٹھا لوں میں درِ خیبر کو بھی 135
جہاں پہ راستۂ خاص و عام ہوتا ہے 137
جو سامنے دہلیز پہ زنجیر پڑی ہے 138
جذبۂ عشق سے محروم بشر کوئی نہیں ہے 140

زندگی تو لوٹ آئی موت کے دہانے سے 142
سب زخم ستم مجھ سے دکھائے نہیں جاتے 143
ہزاروں غم کا ماتم ساتھ لے کر شامِ تنہائی 144
لکھوں حقایقِ ہستی میں اس سلیقے سے 145
زندگی بھر راہ چل لیکن ذرا بچ بچ کے چل 146
اس رس بھری دنیا میں احساسِ بلا کیوں ہے 148
حالِ دل اپنا بیاں کر آج پنجرا نواں میں تو 149
پریشاں زندگی میری پریشاں ہوں تو زندہ ہوں 151
سکونِ دل اگر چاہو مری سنگت میں آجاؤ 152
سارا عالم دکھ سے بھاگے، دکھ کو گلے لگاؤں میں 153
جو کچھ بھی مجھے آج تک محبوب رہا ہے 154
جان دے کر ہی سہی میں نے تجھے حاصل کیا 155
اک ہاتھ میں جام وسبو اک ہاتھ میں ہو زلفِ یار 156
بغیر عشق کوئی زندگی نہیں ہوتی 157
ہر اک ادا تری آئینہ لگے ہے مجھے 158
☆ نظمیں 159
درسِ زندگی 161
بحثِ زندگی 162
ساقی نامہ 164
جب کبھی بھی فرصت ہو 168
ایک جدید فارسی نظم سے متاثر ہو کر 171

سچائی 173
ندامت کے آنسو 175
سیاست فروش 177
مبارکباد آزادی 178
بڑھاپے کی تنہائی 179
اقبال نامہ 180
فیصلہ 182
عبادت 183
غلط فہی 185
شمو 189
شمو 190
ایک لڑکی 192
دو چہرے 194
معصومیت 195
اپنی تصویر 199
عشق 201
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے 203
دلبرِ باوفا 206
پشپا 209
عالمِ تنہائی 210
ایک مشورہ 211

علی گڑھ - یونیورسٹی میں تنہائی کا احساس 212
ایک سوال 214
شباہت 216
زمانے سے میرے دل میں تڑپ ہے 218
میرے بزرگ دوست یونس سلیم مرحوم کی بہار کی گورنری سے
استعفٰی سے متاثر ہوکر 221
حیدر آباد میں پروفیسر ڈمری کے سمینار کے موقعہ پر 222
نیشنل ڈیفنس اکیڈمی کھڑکواسلہ (پونہ) کی اس حسین شام میں پڑھی گئی
جسے وائینگ ان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے (۱۹۶۸) 224
کیفی اعظمی کی جے این یو آمد پر فی البدیہہ 226
غبار 227
ردِّ عمل 230
نادان بھائی 231
☆ قطعات 233
☆ متفرقات 251
☆ فارسی اشعار کے منظوم تراجم 271

منافق سارے تیری سجدہ گاہوں پر مسلط ہیں
کہاں سجدہ کروں یا رب، میں اپنا سر کہاں رکھوں

پیش گفتار

محمد ولی اللہ ولؔی

صدر شعبۂ نشریاتِ فارسی

آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی

پروفیسر محمود عالم کا شمار جہانِ فارسی زبان وادب کے ممتاز اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ان کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ سادگی، منسکر المزاجی، اصول پسندی، دینداری اور پابندیٔ وقت ان کی فطرت میں شامل ہیں۔ وہ ایک مقناطیسی شخصیت کے حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو کوئی ان سے ایک بار ملتا ہے وہ اُن کا گرویدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ان کا پورا نام محمود عالم ہے۔ وہ اپنا تخلص عالمؔ اور کبھی محمودؔ بھی کرتے ہیں۔ وہ ۱۷ر نومبر ۱۹۴۱ء میں پنجروواں، ضلع جہان آباد، بہار میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبدالحنان اور والدہ ماجدہ کا نام سیدہ نفیسہ تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا مرحوم مولانا نظیر احمد سے حاصل کی جو صوبہ بہار کے موقر دینی تعلیمی ادارے شمس الہدیٰ، پٹنہ سے فارغ التحصیل تھے۔ اس کے بعد انھوں نے ہائی انگلش اسکول، کورتھا ضلع گیا سے ثانوی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۵۹ء میں پٹنہ یونیورسٹی کے پٹنہ کالج میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۶۳ء میں بی اے آنرس (فارسی)، ۱۹۶۵ء میں ایم اے (فارسی) اور ۱۹۷۱ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ لکچرر کی حیثیت سے ۱۹۶۸ء میں نیشنل ڈیفیس اکیڈمی، کھڑکواسلہ (پونہ) سے وابستہ ہو گئے۔ وہ ۱۹۷۷ء میں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی سے بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر فارسی منسلک ہوئے اور ۲۰۰۴ء میں پروفیسر کی حیثیت سے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

پروفیسر محمود عالم کی دو معروف کتابیں فارسی زبان و ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ ان کی پہلی کتاب ''ادبیات انقلاب اسلامی ایران'' ایران کلچر ہاؤس، جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی اور دوسری کتاب ''ارشاداتِ امام خمینی'' کو صدا و سیما، جمہوری اسلامی ایران نے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا، جن کی فارسی ادبی حلقوں میں خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔

پروفیسر محمود عالم کے ایک سو سے زائد مقالات اردو، انگریزی اور فارسی زبانوں کے مؤقر رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے مختلف مقالات کے ترجمے دوسری غیر ملکی زبانوں کے رسائل میں بھی اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔

پروفیسر محمود عالم نے مختلف ادبی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے ایران، افغانستان، پاکستان، قزاقستان، ازبکستان اور تاجیکستان کا سفر کیا۔

صدر جمہوریہ ہند عالی جناب اے پی جے عبدالکلام نے پروفیسر محمود عالم کی فارسی زبان وادب کی گرانقدر خدمات کے اعتراف میں ۲۰۰۶ء میں انھیں سرٹیفیکیٹ آف آنر سے سرفراز کیا۔ حکومت ایران نے بھی انھیں ۲۰۲۲ء میں شیخ سعدی ایوارڈ سے نوازا۔

پروفیسر محمود عالم کا شمار اردو زبان و ادب کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے۔ اگرچہ انھوں نے فارسی میں بھی اشعار کہے ہیں مگر ان کی بیشتر شاعری اردو زبان و ادب کا سرمایہ ہے۔ انھوں نے نظمیں بھی لکھی ہیں مگر غزل گوئی میں انھیں بدرجہ اتم کمال

حاصل ہے۔ سادگی، سلاست، شیرینی زبان و بیان اور ندرت فکر و نظر ان کی شاعری کا طرّہ امتیاز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پروفیسر محمود عالم کی شاعری حدیث دلبری سے عبارت ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ پیش نظر شعری مجموعہ "متاع حق" غزلیات اور نظموں پر مشتمل ہے جو ان کے شعور فکر و فن کا آئینہ دار ہے۔

پروفیسر محمود عالم کی شاعری میں اُن کا انفرادی لب ولہجہ بے اختیار قارئین کے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ پروفیسر محمود عالم فارسی زبان وادب کی تدریس سے منسلک رہے ہیں لہذا ان کی شاعری فارسی ادب کی کلاسیکی روایت کی پاسداری، تصوف و اخلاقی مضامین کا ایک خوشنما مرقع ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں صوفیانہ عقائد کی ترجمانی بخوبی دیکھنے کو ملتی ہے:

گل بداماں، گل سراپا، گل ہی گل ہے خوئے دوست
بلکہ وہ گل ہی نہیں جس میں نہ ہو خوشبوئے دوست
گفتگو ہوتی ہے میری آج بھی چاروں پہر
جب بھی چاہا سامنے آتا رہا ہے روئے دوست
بادشاہت بھی ملے تو ہے مرے کس کام کی
میں تو بننا چاہتا ہوں بس گدائے کوئے دوست
جب بھی آنکھیں بند کیں تھے سامنے ہفت آسماں
میں نے دیکھا ہے بہت نزدیک سے جادوئے دوست

ظاہرداری سے اجتناب، خاکساری کی پاسداری اور دینداری سے متعلق مضامین موصوف کی شاعری میں کثرت سے نظر آتے ہیں۔ جن میں بیش بہا درسِ حیات اور اصولِ زندگی پوشیدہ ہیں۔ موصوف نے اپنی شاعری میں اخلاقی اور تہذیبی قدروں کو

نہایت خوبصورتی سے اُجاگر کیا ہے۔ ہر جگہ فکری توانائی کارفرما نظر آتی ہے۔ بطورنمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہماری بن نہیں سکتی کبھی شیخ و برہمن سے
گنہ وہ جس کو کہتے ہیں وہی اپنی عبادت ہے
تو اپنی قدر کر ناداں تجھے نائب بنایا ہے
تری قسمت میں دنیا کی قیادت ہے، امامت ہے

*

خدا کے دین کے قائل ہو صدقِ دل سے اگر
زمیں پہ رہ کے بھی عرشِ بریں کی بات کرو
وہ جس کے دم سے سبھی محفلیں منور ہیں
کرو تو آج فقط اس حسیں کی بات کرو
ہماری عمر تو گزری زمین پر عالمؔ
نہ ہم سے پھر کبھی بالانشیں کی بات کرو

حکیم الامت علامہ اقبال نے خودی کو ایک نیا مفہوم عطا کیا ہے۔ ان کی شاعری میں احتسابِ خود، احتسابِ کائنات ہے۔ علامہ اقبال اپنی مثنوی پس چہ باید کرد کے حکمت کلیمی میں مردِ مومن کو خودنگری کا یوں درس دیتے نظر آتے ہیں:

بگذر از کاؤس و کی ای زندہ مرد
طوفِ خود کن گردِ ایوانی مگرد

علامہ نے اپنے ایک اردو شعر میں اسی مضمون کو کچھ اس طرح باندھا ہے:

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا
خودی کا رازداں ہوجا، خدا کا ترجماں ہوگا

پروفیسر محمود عالم علامہ اقبال کی اس فکر سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کا مندرجہ ذیل شعر اس حقیقت کا مصداق ہے مگر موصوف نے اس مضمون میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے:

بہتر ہے اپنے آپ کی ہم جستجو کریں
جب خود کو ڈھونڈ لیں تو تری آرزو کریں

محض حق پسندی ہی نہیں بلکہ حق بولنا اور حق پر قائم و دائم رہنا پروفیسر محمود عالم کی فطرت میں شامل ہے۔ مجھے جواہر لعل یونیورسٹی، دہلی میں موصوف کی شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے۔ میں نے ان کی حق گوئی اور بے باکی کا بارہا مشاہدہ کیا ہے۔ وہ حق گوئی سے دریغ نہیں کرتے چاہے اس کی جو بھی قیمت چکانی پڑے۔ اس قبیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''اس شہرِ بے خطا میں خطاوار میں ہی ہوں''
یعنی گلوں کے بیچ میں اک خار میں ہی ہوں
سچ بولنے کے جرم میں جس کو سزا ملی
دیکھو وہ خوش نصیب گنہگار میں ہی ہوں
اہلِ وفا تو پہلے بھی چڑھتے تھے دار پر
آج اس متاعِ حق کا طلبگار میں ہی ہوں

*

بہے گا خون جب بھی راہِ حق میں
مٹے گی دہر کی ظلمت یقیں ہے

*

کچھ اصولوں کا نشہ، کچھ اور بھی اسباب تھے
ورنہ سب ہو جاتے پورے جو سنہرے خواب تھے

*

حق کے شیدائی سرِ دار بھی حق بول گئے
دور سے آئی اُنھیں دار و رسن کی خوشبو

ایثار وقربانی کا جذبہ معراجِ انسانیت ہے۔ اگر انسان دوسروں کے درد وغم کو محسوس نہیں کرتا تو وہ انسانیت سے عاری ہے۔ ایک مثالی سماج کی تشکیل کے لیے اُنس و وفا کا شمار فضائل حمیدہ میں ہوتا ہے. یہی وہ صفات ستودہ ہیں جو جہادِ زندگانی میں شمشیر اور انسانیت کے ارتقا اور تحفظ و بقا کے لیے مہمیز کا کام کرتی ہیں۔ پروفیسر محمود عالم نے اپنی شاعری میں ایک ایسے مردِ مجاہد کا تصور پیش کیا جو کارزارِ حیات میں نبرد آزما نظر آتا ہے تاکہ تشخصِ انسانیت باقی رہ سکے۔ موصوف کے چند جرأت مندانہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ضرورت ہے اگر ایثار کی حاضر ہے سر میرا
کسی کی آنکھ سے آنسو بہے، دامن ہو تر میرا
نئے انداز کا اک گھر بناؤں دورِ حاضر میں
محبت کی ہوں دیواریں وفاداری کا در میرا
شیاطیں آج کے انساں کو دیکھیں اور شرمائیں
تتبع اب کرے ابلیس بھی شام و سحر میرا
حکومت چار سو میری قناعت کی بدولت ہے
زمین و آسماں میرے، جہانِ بحر و بر میرا
محبت کے چراغوں کو جلانے کے لیے عالم
اگر لازم ہو تو حاضر ہے اب خونِ جگر میرا

اپنی مٹی سے محبت ہمارا انسانی فریضہ ہے۔ بالغ نظر شاعر کا دل حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار نظر آتا ہے۔ اس قبیل کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

یہ میری سرزمیں ہے جس کی خاطر جان بھی دوں گا
شہادت گر ملے اِس سے بڑا انعام کیا ہوگا

*

بہت ہوں گے حسیں یونان و ایراں
کسی سے کم نہیں اپنی زمیں ہے

*

گل کی خوشبو ہو کہ ریحان کی بھینی خوشبو
ان کی خوشبو سے معطر ہے چمن کی خوشبو
ہے یہ مٹی بڑی زرخیز بہت ہی سوندھی
گل بداماں ہے مرے گنگ و جمن کی خوشبو

پروفیسر محمود عالم نے اپنی شاعری میں تصنع سے پرہیز اور احساسات کو توڑ موڑ کر پیش کرنے سے احتراز کیا ہے۔ اس شعری مجموعہ میں ان کے اچھے خاصے اشعار سہل ممتنع کے زمرے میں آتے ہیں جن کی نثر نہیں بنائی جاسکتی۔ بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مجھے مجبوریوں کا غم نہیں ہے
قدم بڑھتے رہیں یہ کم نہیں ہے

*

وقت کے ساتھ چل نہیں سکتا
خود کو شاید بدل نہیں سکتا
لکھ دیا جو ازل نے قسمت میں
لاکھ ٹالیں وہ ٹل نہیں سکتا

*

زمانے کا ہمیشہ ہم نے یہ دستور دیکھا ہے
جسے مختار ہونا تھا، اُسے مجبور دیکھا ہے

دنیا کی بے ثباتی اور زمانے کے حالات کی ترجمانی شاعر کی عصری آگہی اور سماجی انسلاکات کو روشن کرتی ہے۔ پروفیسر محمود عالم سماج کی کڑوی سچائیوں کو صرف دیکھتے ہی نہیں بلکہ انھیں اپنے احساس کا حصہ بنا کر بخوبی اشعار کے پیکر میں ڈھالنے کا بخوبی ہنر جانتے ہیں:

دنیا کی بے ثباتی پہ رونا بھی آتا ہے
کیسے یہاں گلاب تھے، کیسے تھے نسترن

*

ہیں اہلِ زر یہ اُن کو مروت سے کام کیا
پیتے ہیں خون مردہ رگوں سے نچوڑ کر

*

لڑتے رہے ہیں ہردم مذہب کے نام پر ہم
خود ہی بنے رہے ہیں ہم باعثِ تباہی
قاتل ہے کتنا شاطر خود ہی گیا عدالت
ثابت کرے گا سب پر وہ اپنی بے گناہی
محمودؔ اس جہاں میں کوئی نہیں ہے اپنا
جھوٹے ہیں سب کے وعدے جھوٹی ہے خیر خواہی

*

وقتِ پیری دوستوں کی بے رخی کا کیا گلہ
بچ کے چلتے ہیں سبھی گرتی ہوئی دیوار سے

*

منافق سارے تیری سجدہ گاہوں پر مسلط ہیں
کہاں سجدہ کروں یا رب، میں اپنا سر کہاں رکھوں

اکبرالہ آبادی کا یہ شعر صداقت پر مبنی ہے کہ شیرینی گفتار سے اقلیمِ دل پر حکمرانی ممکن ہے:

بنو گے خسروِ اقلیمِ دل شیریں زباں ہوکر
جہانگیری کرگئی یہ ادا نورِ جہاں ہوکر

پروفیسر محمود عالم شیرینی گفتار کی جادوگری کے قائل نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ شعر اس حقیقت کا مصداق ہے:

بگڑتی بات بھی بن جاتی ہے شیریں زبانی سے
اگر بکتی ہو تیرے شہر میں ایسی زباں ڈھونڈیں

غزل پروفیسر محمود عالم کی محبوب ترین صنفِ سخن ہے۔ انھوں نے اس میدان میں کمالِ فن کا جوہر دکھایا ہے۔ اُن کے اس شعری مجموعہ کا بیشتر حصہ اسی صنفِ سخن پر مشتمل ہے۔ عشقیہ شاعری غزل کا خاص موضوع ہے۔ اس قبیل کا ایک شعر بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

جب بھی یاد آئی مجھے اُس سے ملن کی خوشبو
مجھ کو یاد آئی بہت اُس کے بدن کی خوشبو

پروفیسر محمود عالم کے اس شعری مجموعہ ''متاعِ حق'' میں تقریباً چالیس نظمیں شامل ہیں، جن میں ساقی نامہ، اقبال نامہ، ندامت کے آنسو، سچائی، عشق، دلبر باوفا، ایک لڑکی، عالمِ تنہائی، ایک سوال اور نادان بھائی بخصوص قابلِ ذکر ہیں۔

مجھے امید قوی ہے کہ ایوان شاعری میں پروفیسر محمود عالم کے اس شعری مجموعہ ''متاعِ حق'' کی کماحقہ پذیرائی ہوگی۔ میں ان کی درازیِ عمر کی دعا کرتا ہوں تا کہ وہ شعروادب کے اِس سفر کو سدا رواں دواں رکھیں۔

تو اپنی قدر کر ناداں تجھے نائب بنایا ہے
تری قسمت میں دنیا کی قیادت اور امامت ہے

متاعِ حق: فکروفن کے آئینہ میں

عارف حسن کاظمی
سابق استاد شعبۂ فارسی
اینگلو عربک سینیر سیکنڈری اسکول، دہلی

''متاعِ حق'' جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں فارسی زبان وادبیات کے سابق پروفیسر محمود عالم صاحب کا شعری مجموعہ ہے۔ محمود عالم صاحب کا تعلق بہار کے جہان آباد (پنجروان) سے ہے۔ دلّی ہمیشہ سے علم پرور بھی رہی ہے اور غریب نواز بھی۔ دلّی دل والوں کی بھی ہے اور ہندوستان کا دل بھی ہے۔ یہ عالم میں انتخاب بھی ہے اور منتخب روزگار لوگوں کو اپنی نظر بازیوں اور سحر سامانیوں سے اپنا مفتون وشیدا بھی بنالیتی ہے۔ بار بار لٹنے کے باوجود اس قتالۂ صف شکن کی زلف گرہ گیر کے اسیر و عاشق زار جان و دل نثار کرنے کے لیے دلّی کا رخ کرتے رہتے ہیں۔ محمود عالم صاحب نے بھی اس کے رخ زیبا اور اس کے جمال دلفروز کو رونمائی پیش کرنے کے لیے رخت سفر باندھا اور اپنی علمی تگ وتاز کے لیے اپنا وطن مالوف چھوڑ کر اس سرزمین دلّی کو اپنا مسکن و ماویٰ بنالیا اور یہاں شہرت اور توقیر و تکریم کی حامل جواہر لعل نہرو یونیورسٹی جیسی درسگاہ علم و ادب سے منسلک ہو کے علمی فتوحات حاصل کیں۔ زیر نظر شعری مجموعہ ان کی اپنی فتوحات کا ایک موثر و جاذب نظر ادبی نمونہ ہے۔

اعلیٰ علمی صلاحیتوں اور ادبی و تحقیقی کاوشوں اور علم و فضل کی دولت گرانمایہ سے مالا مال ہونے کے باوجود غیر معمولی انکسار، کریمانہ اخلاق، تواضع، رواداری اور محبت

وشفقت جیسی صفات ستودہ عالم صاحب کی شخصیت کا جوہر اور ان کی طبیعت کا خاصہ ہیں۔ ان کی یہ اعلیٰ انسانی خوبیاں کسی جبہ و دستار کی محتاج نہیں۔ وہ کسی ستائش اور صلہ کی تمنا کے بغیر آج بھی علم وادب کی خدمت میں مصروف ہیں اور غیر معمولی ترقی اور شہرت و نیک نامی کی اونچائیوں تک پہنچنے کے باوجود لوح وقلم کی پرورش ان کی زندگی اور ان کی سرگرمیوں کا نقطۂ آغاز ہے اور منتہائے انجام بھی۔

اس جہان رنگ و بو کی اہمیت یہی رہی ہے کہ فضیلت وکمال کے حصول کے لیے اور دنیا میں اپنا مقام ومرتبہ حاصل کرنے کے لیے اکثر و بیشتر گھربار چھوڑنا پڑتا ہے اور وطن سے ہجرت کرنی پڑتی ہے۔ پھول وہی سر چڑھتا ہے جو چمن سے نکلتا ہے اور عزت و سربلندی بھی اسی کے قدم چومتی ہے جو وطن عزیز کو خیرباد کہہ دیتا ہے۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ ہجرت یا ترک وطن اردو شاعری میں ایک اہم موضوع رہا ہے۔ شعرا نے ہجرت کی ٹیس یا اس کی کسک کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اس کو شعری پیرایہ بھی عطا کیا ہے۔ ہمارے یہاں اردو شاعری میں تقسیم وطن کے نتیجہ میں جو غیر معمولی حوادث، سماجی شکست و ریخت اور ہولناک احوال پیش آئے ان کی صدائے بازگشت اور ان کی خونچکاں داستانیں ہماری سیاسی اور سماجی تاریخ کا حصہ ہی نہیں بلکہ ہماری شعری خون آلود میراث کا ایک حصہ ہیں اور جو ایسا رزم نامہ ہے جو ابھی تک کسی فردوسی کی تلاش میں ہے۔ نہ وطن کی یاد دل سے نکلتی ہے اور نہ خاک وطن کی بھینی بھینی خوشبو مشام جاں سے۔ یادِ وطن کسک بن کے دل میں ایسے ہی کچوکے لگاتی رہتی ہے جیسے ہجر و فراق میں کسی یار غمگسار کی دلنواز صحبتیں۔ عالم صاحب کو بھی اپنا گاؤں، اس کی سہانی شامیں، اس کی دل انگیز دھوپ چھاؤں اور گاؤں کے سادہ اور بے ریا لوگوں محبتیں چھوڑنی پڑیں۔ وطن عزیز اور وہاں کے باسیوں کی یادیں ان کی زندگی کا عزیز اور شیریں سرمایہ ہیں۔ ان کے اشعار میں ان

کے ماضی کی خوشگوار یادیں انگڑائیاں لیتی نظر آتی ہیں۔ ان کو پردیس میں دیس کی یاد ستاتی ہے۔ ذیل کے اشعار سے ان کی جذبوں اور ان کی دلی کیفیتوں کا اظہار قاری کو بھی متاثر کرتا ہے:

گل کی خوشبو ہو کہ ریحان کی بھینی خوشبو
ان کی خوشبو سے معطر ہے چمن کی خوشبو
گرچہ پردیس رہا چار دہائی سے پرے
پھر بھی دن رات ستاتی ہے وطن کی خوشبو

*

بڑا اور کچھ ہوا تو بڑھا جگ کا دائرہ بھی
چھٹے یار سب پرانے نیا دائرہ بنایا

عالؔم صاحب کا پیشہ نہ شاعری ہے نہ سپہ گری۔ شاعری بس ان کا مشغلہ ہے۔ انھوں نے اپنے احساسات، جذبات اور خیالات کو شعری پیکر عطا کیا ہے۔ ایک اچھا شاعر نہ صرف اپنے جہانِ باطن کی ترجمانی کے لیے شعر کا سہارا لیتا ہے بلکہ خارجی دنیا کے احوال و حوادث سے بھی سروکار رکھتا ہے۔ تلاطم دل کی دنیا میں ہو یا پھر خارجی دنیا میں حوادث کا ظہور ہو شعر کے لیے خام مال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاعر کی طبیعت نہ صرف غیر معمولی طور حساس ہوتی ہے بلکہ وہ اس بات پر بھی قادر ہوتا ہے کہ دل پر جو کچھ گذرے اس کا اظہار لطیف، موثر اور دلپذیر پیرایہ میں کر سکے۔ شعر کی اثر انگیزی اور دلپذیری کے لیے جذبۂ احساس یا خیال کی صداقت، بڑی شاعری کے لیے ضروری ہے۔ جذبہ و خیال کی صداقت نہ ہو تو صنائع بدائع اور آتش کے الفاظ میں مرصع سازی سے بھی بڑے شعر کی تخلیق نہیں ہو سکتی۔ عالؔم صاحب ایک غیر معمولی حساس طبیعت کے حامل ہیں۔ ان کے دل کی دنیا میں یا ان کے خارجی ماحول میں جو اچھا برا وقوع پذیر ہوتا ہے اور ان کے ذہن و فکر یا دل و نگاہ کو متاثر کرتا ہے اس کا

شعری اظہار ہی ان کی شاعری کا سرمایہ ہے۔ ان کی شاعری ایک دردمند اور درد آشنا دل کی آواز ہے۔ دل کی شکستگی سے جو آواز پیدا ہوتی وہ قارئین اور سامعین کو متاثر کیے بنا نہیں رہتی۔ دل سے نکلتی ہے اور دل پر اثر کرتی ہے۔ عالم صاحب کا تعلق ابتدا سے علم و ادب سے رہا ہے۔ علم و ادب سے دلچسپی اور زبان کے وسیلۂ اظہار ہونے کے حوالے سے انھوں نے نثر اور نظم دونوں ہی میں گلفشانی گفتار کے جوہر دکھائے ہیں۔ شاعری ان کا پیشہ نہ سہی لیکن انھوں نے شعر میں ایک اچھا خاصا دیوان تیار کر دیا ہے:

درد و غم جمع کئے اتنے کہ دیوان کیا

ان کا یہ شعری مجموعہ دراصل ان کے فکر اور فن کا ایک خوشگوار اور حسین امتزاج ہے۔ ان کو انسانوں اور اعلیٰ انسانی خوبیوں سے محبت ہے۔ وہ انسانی رذائل اور مکروہات زمانہ سے بیزار ہیں۔ وہ ملک و بیرون ملک دہشت و بربریت اور حیوانیت سے نفور اور انسانی آزادی اور انسان کی خوشحالی کے دلدادہ ہیں۔ ان کی شعری کاوشیں:

از دام و دد ملولم و انسانم آرزو است

کی تفسیر و تشریح ہیں۔ ان کے ذاتی رجحانات، فکری ارتقائی اور شاعری کے محرکات کو حافظ کے درج ذیل شعر کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے:

آسایش دوگیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان تلطف، .با دشمنان مدارا

عالم صاحب کو خیر، حسن اور صداقت سے غیر معمولی شغف اور دلچسپی ہے اور شعر گوئی یا اظہار و ترسیل کے حوالہ سے وہ اپنے اس مقصد یا سطح نظر سے صرف نظر کے روادار نہیں ہیں۔ اسی لیے مبالغہ یا زبان و بیان کے بے جا تکلفات سے ان کی

طبیعت متنفر ہے۔ شعر گوئی میں انھوں نے اپنی ڈگر خود بنائی ہے. انھوں نے شعری سفر کی اپنی منزل خود طے کی ہے۔ ان کو شعری بے راہ روی ان کو سخت ناپسند ہے۔ اگر چہ وہ فارسی زبان و ادبیات کے استاد رہے اور فارسی کی ادبی روایات سے ان کو براہ راست تعامل رہا لیکن ان کی شاعری کا موضوع حسن وعشق کی سرمستیوں کے بیان سے زیادہ حکایت وشکایت روزگار نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری سماجی اور اخلاقی زوال کی داستان اور زندگی کی ناہمواریوں سے عبارت ہے:

میں خزاں زدہ تو ازل سے ہوں مرے بال و پر بھی جھلس گئے
نہ تو جسم و جاں میں سکت رہی نہ تو ولولہ ہے بہار کا

*

نئے انداز کا اک گھر بناؤں دورِ حاضر میں
محبت کی ہوں دیواریں وفاداری کا در میرا
حکومت چار سو میری قناعت کی بدولت ہے
زمین و آسماں میرے، جہانِ بحر و بر میرا

سہل ممتنع ایک شعری خوبی بھی ہے اور شاعر کی قدرت کلام کی علامت بھی۔ جن اشعار میں کوئی بلند پایہ خیال سادہ اور نثری پیرایہ سے قریب تر الفاظ بیان ہو تو سہل ممتنع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے. سہل ممتنع فی نفسہ ایک صنعت ہے۔ میر کے یہاں سہل ممتنع کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ جون ایلیا نے تو اس فن کو نئی بلندیاں بخشی ہیں اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ سہل ممتنع ان کی پہچان بن گئی ہے۔ انھوں نے بہت سے فلسفانہ خیالات اور فکر انگیز مضامین کو غیر معمولی سادہ الفاظ اور اندازِ بیان کے ساتھ ادا کیا ہے۔ ان کی گلفشانی گفتار ملاحظہ ہو:

پڑے ہیں ایک گوشہ میں جہاں کے
ہماری زندگی کیا اور ہم کیا

حاصل کن ہے یہ جہان خراب
یہی ممکن تھا اتنی عجلت میں

دراصل یہ سہل گوئی کوئی آسان کام نہیں اس کے لیے قدرتِ کلام اور ایک وسیع ذہنی افق کی ضرورت ہوتی ہے۔ عالمؔ صاحب نے بھی سہل ممتنع میں اشعار نکالے ہیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر خود ان کے کلام کو پیش کرنا مناسب ہے:

وقت کے ساتھ چل نہیں سکتا
خود کو شاید بدل نہیں سکتا
لکھ دیا جو ازل نے قسمت میں
لاکھ ٹالیں وہ ٹل نہیں سکتا

*

ہزاروں خوبرو دیکھے ہیں میں نے
مگر تجھ سا حسیں کوئی نہیں ہے

*

تو اپنی قدر کر ناداں تجھے نائب بنایا ہے
تری قسمت میں دنیا کی قیادت اور امامت ہے

یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ عالمؔ صاحب تفنن طبع کے لیے شعر کہتے ہیں۔ شعر گوئی ان کا مشغلہ ہے۔ انھوں نے بہت سے درد و غم کو اکٹھا کر کے ایک دیوان مرتب کرلیا ہے۔ یہ درد و غم ان کی ذات کے بھی ہے اور زمانے کے بھی۔ زمانے کے سرد و گرم نے ان کی شعر گوئی کے لیے مواد فراہم کردیا ہے۔ قدرت نے انھیں حساس دل عطا کیا ہے۔ ذات، ماورا ذات اور عالم خارجی میں جو کچھ شدنی اور ناشدنی یا گفتنی اور ناگفتنی وقوع پذیر ہوتا ہے، شاعر کا اندرون اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ تمام آلام، غمہائے روزگار اور تمام آفات و حوادث زمانہ کی آماجگاہ شاعر کا دل ہی

ہوتا ہے اور دل کے ساتھ اسی فعل و انفعال سے شعر وجود میں آتا ہے۔ اندوہ و نشاط، بہار و خزاں عیش و نیش اور زشت و خوبی سے شاعر غیر معمولی طور پر متاثر ہوتا ہے اور اس کے شعر میں اسی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ یہی عصری حسیت ہے۔ عالم صاحب، صاحب دل شاعر ہیں۔ کلاسیکی اور روایتی شاعری کی دھوپ چھاؤں ان کی شاعری پر سایہ فگن رہتی ہے۔ انھوں نے آپ بیتی کو جگ بیتی اور جگ بیتی کو آپ بیتی بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کی شعری فکر زندگی کے تجربات، دل کے محسوسات اور زمانے کے مشاہدات کی آئینہ دار ہے۔ زمین شعر خون جگر سے ہی سرسبز و شاداب ہوتی ہے اور فن کی تیغ فساں نہ ہو تو فکر میں کاٹ کی صفت نہیں پیدا ہو سکتی۔ عالم صاحب کے یہاں فکر اور فن دونوں کی آمیزش ہے۔ فکر و فن اور زبان و بیان کی خوبیوں سے اگر شعر معرّا ہو تو بے اثر رہے گا۔ شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ فکر و فن کے ساتھ زبان و بیان سے صرف نظر نہ کرے۔ زبان و بیان پر قدرت اور اظہار کے ادوات پر شعوری طور سے اپنی توجہ مرکوز رکھے۔ عالم صاحب نے اردو شاعری کی صحتمند روایات اور اردو کے قدیم و جدید کے رجحانات سے بے اعتنائی نہیں برتی ہے۔ عالم صاحب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اہلِ جنوں کی پیاس بجھے بھی تو کس طرح
لوٹے ہیں میکدے سے پیالے کو توڑ کر

ہیں اہلِ زر یہ اُن کو مروت سے کام کیا
پیتے ہیں خون مردہ رگوں سے نچوڑ کر

میں بھی کبھی شریک تھا بزمِ نشاط میں
میری خودی نے مجھ کو نکالا جھنجھوڑ کر

*

اس شہرِ بے خطا میں خطاوار میں ہی ہوں
یعنی گلوں کے بیچ میں اک خار میں ہی ہوں
لوٹا گیا تھا کل جو سرِ راہ قافلہ
اس قافلے کا قافلہ سالار میں ہی ہوں
اہلِ وفا تو پہلے بھی چڑھتے تھے دار پر
آج اس متاعِ حق کا طلبگار میں ہی ہوں

*

منافق سارے تیری سجدہ گاہوں پر مسلط ہیں
کہاں سجدہ کروں یا رب، میں اپنا سر کہاں رکھوں

ان اشعار کے پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ شاعر کے باطن کی کسک، ان کے اندرون کا کرب اور اس کے محسوسات و تجربات کی شدت تاثیر قارئین و سامعین کے دلوں کو گرما سکے اور عالم صاحب کی یہ شعری کاوش قارئین کی سخن شناسی دادِ تحسین حاصل کر سکے۔

شہریارِ ملکِ سخن: پروفیسر محمود عالم

احمد علی برقیؔ اعظمی
سابق صدر شعبۂ نشریاتِ فارسی
آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی

ڈاکٹر محمود عالم کی متاعِ حق ہے یہ
اُن کی حق گوئی و بیباکی ہے جس سے آشکار
ان کا یہ مجموعۂ اشعار ہے وجد آفریں
بخشتا ہے ذہن کو اہلِ نظر کے جو قرار
اس کی غزلوں سے عیاں ہے سوز و سازِ زندگی
جن میں اسلوب بیان ہے باعثِ صد افتخار
سب کا منظور نظر ہے ان کا یہ عرضِ ہنر
ہے شعورِ فکر و فن کا اُن کے جو آئینہ دار
مرجع اہلِ نظر ہے اُن کا معیاری کلام
ہے جو دنیائے ادب میں فکر و فن کا شاہکار
ان کی غزلیں اور نظمیں ہیں سرودِ سرمدی
جن کو حاصل ہے جہانِ فکر و فن میں اعتبار
ہیں دلوں پر حکمراں جو اہلِ علم و فضل کے
کشورِ شعر و ادب کے ہیں وہ برقیؔ شہریار

بڑا اور کچھ ہوا تو بڑھا جگ کا دائرہ بھی
چھٹے یار سب پرانے نیا دائرہ بنایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

جس جس نے حمد کی ہے خدائے بزرگ کی
ان کے بھی سب گناہ کیا بخشے نہ جائیں گے
یارب تو بخش دے گا خطائیں یقین ہے
بندوں کے حالِ زار بھی دیکھے نہ جائیں گے

بہتر ہے اپنے آپ کی ہم جستجو کریں
جب خود کو ڈھونڈ لیں تو تری آرزو کریں

غزلیں

۱

میں سدا سے عاشقِ زار تھا کبھی نور کا کبھی نار کا
وہی سلسلہ ہے ابھی تلک وہی آس بوس و کنار کا

میں خزاں زدہ تو ازل سے ہوں مرے بال و پر بھی جھلس گئے
نہ تو جسم و جاں میں سکت رہی نہ تو ولولہ ہے بہار کا

کبھی نیند کھلتی ہے رات میں کبھی بھور میں یہ صدا ملی
اٹھو جاؤ جانبِ لالہ رخ وہ ابھی بھی پیاسا ہے پیار کا

کبھی وجد میں جو میں آ گیا سر بزم ساقی نے یہ کہا
رہو حد میں تم رہو با ادب یہ اثر ہے تم میں خمار کا

یہ دھواں ہے جو چار سو ذرا غور سے اسے دیکھ تو
یہ بھی عکس آہ و بکا کا ہیں، یہ اثر ہے دل کے غبار کا

مری زندگی بھی بسر ہوئی اسی گلستاں کے حصار میں
مرا رشتہ اس سے قریب ہے، وہی رشتہ ہے گل و خار کا

یہ غم و الم کی حکایتیں سبھی اپنوں کی ہیں شکایتیں
مجھے کہنے میں بھی حیا لگے یہ بھی دین ہے میرے یار کا

مجھے اپنے دین پہ فخر ہے، مرا دین دینِ مبین ہے
نہ تو پوچا ہو کوئی قبر کی، نہ سہارا کوئی مزار کا

نہ ستم کرو نہ سہن کرو، اسی طرح مشق سخن کرو
کہو سارے اپنے حریفوں سے نہیں ڈر ہے قید و حصار کا

یہ نظامِ شمس و قمر ہے کیا مرے رب کی ساری کرامتیں
پسِ پردہ رب جلیل ہے، وہی رب ہے لیل و نہار کا

کبھی ساز دل کو تو چھیڑیے، کبھی نغمگی کو سنیں ذرا
تو سنیں گے نغمۂ جاں بلب کسی دل شکستہ ستار کا

یہ مقام ہے وہ مقامِ شب، سبھی مست پی کر مئے الست
نہ خبر ہے گرد و نواح کی، نہیں ہوش دل کی پکار کا

مری زندگی میں تھی سادگی، کوئی شعبہ کوئی پڑاؤ ہو
ہاں ابھی بھی ہے وہی ولولہ، وہی جذبہ اب بھی نثار کا

میں پلا جہاں، میں بڑھا جہاں، جہاں میری نشو و نما ہوئی
سبھی یاد آتے ہیں برملا، ہے یہ قرض قرب و جوار کا

میں یہاں رہوں یا وہاں رہوں، مری سوچ اب بھی وہیں کی ہے
میں کروں بھی کیا کہ اتار دوں، ہے یہ بوجھ سر پہ ادھار کا

کبھی غم میں، غم کے اثر میں بھی، کبھی یاد اپنوں کی آ گئی
کبھی چلچلاتی سی دھوپ میں، جیسے ایک جھونکا پھوار کا

۲

اس کتابِ زندگی کا ہر ورق سادہ رہا
کیا کہوں دار و رسن بھی آج تک وعدہ رہا

کس قدر خوش تھا مجھے جب موت کی دھمکی ملی
عمر بھر لیکن سدا خوشیوں کی دھن گاتا رہا

ایک تلخی رات دن سینے میں یوں پلتی رہی
بن معالج زخم جیسے دل میں ہو رستا رہا

کوہِ غم ٹوٹا ہماری جان پر لیکن حضور
دوستوں کی مہربانی کا بھرم جاتا رہا

۳

ضرورت ہے اگر ایثار کی حاضر ہے سر میرا
کسی کی آنکھ سے آنسو بہے، دامن ہو تر میرا

زمانے بھر کی رسوائی اگر تم سہہ نہیں سکتے
چلے آؤ بصد ناز و ادا حاضر ہے گھر میرا

نئے انداز کا اک گھر بناؤں دورِ حاضر میں
محبت کی ہوں دیواریں وفاداری کا در میرا

شیاطیں آج کے انساں کو دیکھیں اور شرمائیں
تتبع اب کرے ابلیس بھی شام و سحر میرا

حکومت چار سو میری قناعت کی بدولت ہے
زمین و آسماں میرے، جہانِ بحر و بر میرا

محبت کے چراغوں کو جلانے کے لیے عالم
اگر لازم ہو تو حاضر ہے اب خونِ جگر میرا

۴

گل بداماں، گل سراپا، گل ہی گل ہے خوئے دوست
بلکہ وہ گل ہی نہیں جس میں نہ ہو خوشبوئے دوست

گفتگو ہوتی ہے میری آج بھی چاروں پہر
جب بھی چاہا سامنے آتا رہا ہے روئے دوست

دل کا سودا ہو گیا تھا، چار جب آنکھیں ہوئیں
چین اب ملتا نہیں جب تک نہ جاؤں سوئے دوست

بادشاہت بھی ملے تو ہے مرے کس کام کی
میں تو بننا چاہتا ہوں بس گدائے کوئے دوست

لذتوں میں ایک لذت کا نہیں کوئی جواب
جو مزا ملتا ہے مجھ کو بیٹھ کر پہلوئے دوست

جب بھی آنکھیں بند کیں تھے سامنے ہفت آسماں
میں نے دیکھا ہے بہت نزدیک سے جادوئے دوست

کون گذرا ہے یہاں سے کیوں ہوا ہے عطر بیز
غور سے دیکھو کرشمہ ساز ہے گیسوئے دوست

ہم نے مانا ہم بہت کمزور ہیں نادار ہیں
بھول جاتے ہو بھلا تم کس طرح بازوئے دوست

عالَم گُرگانوی نے شعر اچھے ہیں کہے
کاش ان الفاظ کی تشبیہ ہو لولوئے دوست

۵

دشتِ جنوں میں بارہا منزل کے موڑ پر
گذرے ہیں بے نیاز سے محمل کو چھوڑ کر

اہلِ جنوں کی پیاس بجھے بھی تو کس طرح
لوٹے ہیں میکدے سے پیالے کو توڑ کر

ہیں اہلِ زر یہ ان کو مروت سے کام کیا
پیتے ہیں خون مردہ رگوں سے نچوڑ کر

میں بھی کبھی شریک تھا بزمِ نشاط میں
میری خودی نے مجھ کو نکالا جھنجھوڑ کر

۶

بہتر ہے اپنے آپ کی ہم جستجو کریں
جب خود کو ڈھونڈ لیں تو تری آرزو کریں

دامن جو تار ہوتا تو اس کا علاج تھا
اب اس دلِ شکستہ کو کیسے رفو کریں

اپنی تو کہہ دی اب مری سننے کے واسطے
آ اے مرے عزیز کبھی گفتگو کریں

خواہش تھی اک زمانے سے تلچھٹ کے واسطے
سودائے رہنِ ساقی و جام و سبو کریں

آئینہ صاف کہتا ہے سب داستانِ شب
تفصیل تم جو چاہو تو ہم روبرو کریں

کس نے کیا ہے ظلم دیا کس نے داغ ہے
دشمن نہ تیرے ساتھ کہیں ہو بہو کریں

عالؔم شراب پینا ہے پینے دو عمر بھر
ایسی شراب سے تو فرشتے وضو کریں

۷

ہے اس کا حسن مجھے فخر ہے میں ناز کروں
مگر بتاؤ کہ دفتر کہاں سے باز کروں

بہت خراب ہے دیکھو نگاہ کی چوری
نگہ ملاؤ تو قسمت پہ اپنی ناز کروں

شب وصال ہمیشہ ہی مختصر دیکھی
فضول بات ہے اس بحث کو دراز کروں

مئے حلال ہمیشہ ہی پیتا رہتا ہوں
مجال مجھ میں کہاں اس سے احتراز کروں

حقیقتوں کا تو عالم ہے اور ہی ورنہ
دعا یہی ہے کہ ان کو بھی اب مجاز کروں

ترا ہی عکس مرے ساتھ ساتھ چلتا ہے
کہاں پہ نذر کروں کیسے میں نیاز کروں

۸

''اس شہرِ بے خطا میں خطاوار میں ہی ہوں''
یعنی گلوں کے بیچ میں اک خار میں ہی ہوں

لوٹا گیا تھا کل جو سرِ راہ قافلہ
اس قافلے کا قافلہ سالار میں ہی ہوں

سچ بولنے کے جرم میں جس کو سزا ملی
دیکھو وہ خوش نصیب گنہگار میں ہی ہوں

اہلِ وفا تو پہلے بھی چڑھتے تھے دار پر
آج اس متاعِ حق کا طلبگار میں ہی ہوں

اف تک نہ کی ہو جس نے محبت کی راہ میں
روتے ہیں جس پر اب در و دیوار میں ہی ہوں

دیکھا ہے جس نے دورِ حوادث قریب سے
پتھرا گئی جو نرگسِ بیمار میں ہی ہوں

لیتاہوں رب کا نام مصیبت میں آن کر
دیر و حرم کے بیچ گرفتار میں ہی ہوں

عالؔم خدا کے واسطے کہہ دو جو دل میں ہے
بزمِ سخن میں آج کا سردار میں ہی ہوں *

* لطف الرحمٰن مرحوم نے حیدرآباد کے اک سیمینار میں اپنی غزل سنائی جس سے متاثر ہوکر یہ غزل کہی گئی۔

۹

جو کرنا چاہو تو جذب و یقیں کی بات کرو
اُدھر کی اور نہ مجھ سے کہیں کی بات کرو

نہ آسماں کی نہ تو اس زمیں کی بات کرو
کرو تو ایک اسی مہ جبیں کی بات کرو

وہ جس کے دم سے سبھی محفلیں منور ہیں
کرو تو آج فقط اس حسیں کی بات کرو

ہزاروں منتشر جوہر پڑے ہیں رستے میں
کرو تو سب سے الگ اس نگیں کی بات کرو

اگر ارادہ تزلزل کے جال میں ہے پھنسا
تو ایسے حال میں محکم یقیں کی بات کرو

خدا کے دین کے قائل ہو صدقِ دل سے اگر
زمیں پہ رہ کے بھی عرشِ بریں کی بات کرو

ہماری عمر تو گزری زمین پر عالم
نہ ہم سے پھر کبھی بالانشیں کی بات کرو

۱۰

جب بھی یاد آئی مجھے اُس سے ملن کی خوشبو
مجھ کو یاد آئی بہت اُس کے بدن کی خوشبو

گل کی خوشبو ہو کہ ریحان کی بھینی خوشبو
ان کی خوشبو سے معطر ہے چمن کی خوشبو

گرچہ پردیس رہا چار دہائی سے پرے
پھر بھی دن رات ستاتی ہے وطن کی خوشبو

حق کے شیدائی سردار بھی حق بول گئے
دور سے آئی انھیں دار و رسن کی خوشبو

ذکر اللہ کا جن لب سے ہوا چار پہر
ان کی سانسوں میں بسی مشکِ ختن کی خوشبو

قد تو اونچا ہے مرے یار کا اس سے بھی سوا
وہ سراپا ہے مرا سرو، سمن کی خوشبو

ہیں ملک زادہ[1] بہت ہی بڑے شاعر لیکن
کیسے پہچانیں انھیں اپنے سخن کی خوشبو

ہے یہ مٹی بڑی زرخیز بہت ہی سوندھی
گل بداماں ہے مرے گنگ و جمن کی خوشبو

جب بھی گذرا ہوں سرِ شام کسی مرگھٹ سے
دور تک آتی رہی اپنے کفن کی خوشبو

کون گذرا ہے یہاں سے کہ معطر ہے ہوا
جانی پہچانی سی لگتی ہے پون کی خوشبو

تو نے جو زخم دیے بھر تو گئے ہیں پھر بھی
عمر بھر آتی رہی اس کی چبھن کی خوشبو

جب تلک سانس چلے تم یہ بڑا کام کرو
صبح سے شام تک پھیلاؤ امن کی خوشبو

ہیں تو زخمی اسی ناگن کی نگہ کے عالم
پھر بھی چنتے ہیں سدا اس کے نین کی خوشبو

۱- میرے پڑوسی جمال احمد صاحب مرحوم (انڈین ریلوے) ملک زادہ مرحوم کے مداح تھے۔

۱۱

کسی سے کوئی شکوہ ہے نہ دل میں کوئی نفرت ہے
ملے ہو تم مجھے جب سے یہ دنیا خوبصورت ہے

ہماری بن نہیں سکتی کبھی شیخ و برہمن سے
گنہ وہ جس کو کہتے ہیں وہی اپنی عبادت ہے

کہاں موقع ملا مجھ کو تمھارے ساتھ رہنے کا
سفر میں مل گئے طرزی تو یہ سمجھا سعادت ہے

گلوں کو خار کہتے ہیں خلش کو شبنمی ٹھنڈک
اشارہ اور ہی کچھ ہے غزل کی یہ نزاکت ہے

تمہاری ہر ادا کو جانتا پہچانتا ہوں میں
خموشی ہے اگر لب پر تو یہ میری شرافت ہے

بیان حسن لافانی کما حقہ نہیں ممکن
ہمارا کام ذکر و ورد و تسبیح و تلاوت ہے

ہمارا کچھ نہیں دل تھا وہ کب کا دے دیا تجھ کو
ذہانت تھی بس اک دولت وہ بھی تیری امانت ہے

تمھارے حسن روز افزوں میں میرا بھی تو ہے حصہ
مرا حصہ مجھے دے دو، نہ دو گے تو خیانت ہے

یہ کیسی دوستی ہے دوستوں کو تشنہ رکھتے ہو
بڑھی جو تشنگی حد سے تو اعلان بغاوت ہے

جگر کا خون ہوتا ہے تو پھر اشعار بنتے ہیں
جگر سوزی و خوں ریزی میں ہی سچی حلاوت ہے

تمھارے مکر و سازش نے دکھایا ہے مجھے رستہ
تیرے جور وستم سے ہی میری دنیا سلامت ہے

جو نکلے خون کے قطرے چھلک کر میری آنکھوں سے
یہ خود کر وہ گناہوں پر بہے اشک ندامت ہے

تو اپنی قدر کر ناداں تجھے نائب بنایا ہے
تری قسمت میں دنیا کی قیادت اور امامت ہے

سناتے ہیں میاں محمود اب تو آپ بیتی ہی
بظاہر داستان غم بباطن اک حکایت ہے

۱۲

مجھے مجبوریوں کا غم نہیں ہے
قدم بڑھتے رہیں یہ کم نہیں ہے

بہے گا خون جب بھی راہ حق میں
مٹے گی دہر کی ظلمت یقیں ہے

تصور میں تجھے اس طرح دیکھا
قدم تیرے جہاں میری جبیں ہے

ہزاروں خوبرو دیکھے ہیں میں نے
مگر تجھ سا حسیں کوئی نہیں ہے

بہت ہوں گے حسیں یونان و ایراں
کسی سے کم نہیں اپنی زمیں ہے

۱۳

زمانے کا ہمیشہ ہم نے یہ دستور دیکھا ہے
جسے مختار ہونا تھا اسے مجبور دیکھا ہے

نہیں معلوم جن کو بات کرنے کا سلیقہ بھی
عجب اندھی صداقت ہے انھیں مسرور دیکھا ہے

حقارت کی نظر سے خاکساروں کو نہ تم دیکھو
جواہر کو بھی ہم نے خاک میں مستور دیکھا ہے

کبھی بھولے سے اعلیٰ ظرف بھی دولت کے چکر میں
پھنسے ایسے کہ ان کو عمر بھر رنجور دیکھا ہے

حسیں صورت خدا نے دی خدا کا شکر کرنا تھا
مگر میں نے ہمیشہ حسن کو مغرور دیکھا ہے

بہے گا خونِ ناحق اب کفن تیار رکھو سب
جواہر لعل کی نگری میں ایک منصور دیکھا ہے

نہیں خواہش رہی باقی شراب و جام کی عالم
نگاہِ ناز کو جس وقت سے مخمور دیکھا ہے

۱۴

کہوں کس سے قصۂ دردِ دل نہ تو ہم نفس نہ تو یار ہے
جو ہے راہبر وہی راہزن، یہ عجیب بے بسی کی پکار ہے

وہی بندگی ہے متاعِ دیں بس اسی کے آگے جھکے جبیں
یہ عجیب نشہ ہے یار کا یہ الگ طرح کا خمار ہے

نہ ملا ہے کچھ نہ ملے گا کچھ، مری بات سچ ہے اسے سمجھ
لگا تو نہ دنیا سے دل کو اب، ترے سر پہ دنیا سوار ہے

بہت گلشنوں کا سفر کیا، بہت سیر کی تو پتا چلا
ہے یہ زندگی بڑی مختصر فقط چند روزہ بہار ہے

وہی لوٹ کر مجھے لے گیا، جو ہمیشہ کہتا تھا رات دن
میں تو زندہ ہوں ترے واسطے، مری جان تجھ پہ نثار ہے

میں بہت دکھی ہوں زمانہ سے، مرے دکھ کا دیکھو اثر ہے یہ
یہ دھواں دھواں جو ہوا میں ہے، یہ بھی میرے دل کا غبار ہے

۱۵

اس رس بھری دنیا میں احساس بلا کیوں ہے
ہونٹوں پہ تبسم ہے اندر سے خلا کیوں ہے

معلوم تھا جب تم کو انجام محبت کا
خود کردہ گناہوں پر اوروں سے گلہ کیوں ہے

اک عمر کے آنے پر آتی ہے متانت بھی
اک چھوٹی سی غلطی پر اب ہائے اللہ کیوں ہے

۱۶

اگر مجھ کو تیری زلف سیہ کی روشنی ملتی
فلک بھی سر نگوں ہوتا زمیں بھی با ادب ہوتی

بصد ناز و ادا دونوں کبھی یہ پوچھتے ہم سے
چلادیں چلچلاتی دھوپ میں باد خنک ہلکی

کہو تو آسماں کی ساری مخلوقات بھی تیرے
اشاروں پر چلیں گی گر بتاؤ راہ منزل کی

سمندر سوکھ جائیں سب ندی بھی خشک ہوجائیں
گذرگاہوں میں حائل ہوں اگر وہ تیرے محمل کی

بتاؤ کون سے اشجار سدّ راہ بنتے ہیں
ہٹائیں راہ سے اپنی نشانی بھی نہ ہو جڑ کی

کہو تو چاند سورج بھی قدم بوسی کریں تیری
مگر مقصود ہے ان سب کے پیچھے بس رضا تیری

مرے محبوب کی سن لو چلو ان کے اصولوں پر
محبت کا ہوں شیدائی نہیں حاجت مجھے زر کی

۱۷

بے چین ہوا اور بھی دل اس کا زیادہ
گھایل ہوا جس روز سے مستانہ کسی کا

مجلس میں جگہ پائی رقیبوں نے جو جا کر
گلزار ہوا اور صنم خانہ کسی کا

ہوتی ہے اسی شخص سے ملنے کی تمنا
بھاتا ہے جو انداز شریفانہ کسی کا

دل کھول کے ساقی نے مجھے خوب پلائی
ایسا تو نہ ہوگا کہیں مے خانہ کسی کا

اندھیر ہے اندھیر دکھا بھی رخ روشن
تاریک ہے تاریک سیہ خانہ کسی کا

کیوں رند قدح خوار کی پھر رال نہ ٹپکے
لبریز جو دیکھے کوئی پیمانہ کسی کا

میں کہہ نہ سکا حالِ دلِ زار وہاں کچھ
آیا جو نظر جلوۂ شاہانہ کسی کا

لے جایئے واپس دل افسردہ کو عالؔم
منظور انھیں اب نہیں نذرانہ کسی کا

دیکھیں گے اگر غور سے اے حضرتِ عالؔم
ہر شخص نظر آئے گا دیوانہ کسی کا

۱۸

وقت کے ساتھ چل نہیں سکتا
خود کو شاید بدل نہیں سکتا

لکھ دیا جو ازل نے قسمت میں
لاکھ ٹالیں وہ ٹل نہیں سکتا

تر ہے دامن گناہ سے لیکن
نارِ دوزخ میں جل نہیں سکتا

کس طرح اپنے دل کو سمجھائیں
غم کا مارا بہل نہیں سکتا

۱۹

زمیں کو آسماں سمجھا، بتوں کو مہرباں سمجھا
قفس کو آشیاں، صحرا کو ہم نے گلستاں سمجھا

عدو کو دوست سمجھا ہوں، بہی خواہوں کو میں اکثر
غلط فہمی میں ان کو بھی نصیبِ دشمناں سمجھا

کبھی جب وجد میں آیا افق کو زیرِپا دیکھا
کبھی ایماں کی کمزوری سے بحرِ بیکراں سمجھا

حکایت جب پڑھی میں نے کسی مظلوم و بے کس کی
سراپا ظلم کا منظر خود اپنی داستاں سمجھا

بھٹکتا پھر رہا تھا میں جہاں میں چار سو لیکن
حقیقت جب نظر آئی تو پھر سود و زیاں سمجھا

۲۰

نہ ہوں گے ہم تو پھر یہ چہرۂ گلفام کیا ہوگا
نہ ہوں گے ہم ہی تم تو پھر بھلا یہ جام کیا ہوگا

یہ گلشن ہے یہاں تو ہر طرح کے پھول کھلتے ہیں
اگر سب پھول توڑیں گے تو پھر انجام کیا ہوگا

یہ میری سرزمیں ہے جس کی خاطر جان بھی دوں گا
شہادت گر ملے اِس سے بڑا انعام کیا ہوگا

یہ دشمن ہیں وطن کے جو ہمیں غدّار کہتے ہیں
جو ہم پر شک کرے اس سے بڑا الزام کیا ہوگا

۲۱

جو مسافر تھے سفر کے ان سے کیا شکوہ، گلہ
میں ہجوم آشنا میں عمر بھر تنہا رہا

محفلِ یاراں گیا تو فکرِ عقبیٰ ساتھ تھی
بزمِ ساقی میں ازل سے آج تک تنہا رہا

تنہا تھا وقتِ وصل بھی، تنہا تھا وقتِ فصل بھی
تنہائیوں کی پوچھ مت میں ہر گھڑی تنہا رہا

اللہ مجھ کو بخش دے میں ہوں گنہگارِ صلاح
سب کوششوں کے بعد بھی میں آج تک تنہا رہا

کہنے کو عالؔم نام ہے گھر بھی جہان آباد ہے
بچپن سے لے کر آج تک یہ دل دکھی تنہا رہا

۲۲

حوصلہ ہے تو جواں رکھ بہت کام آئے گا
اپنی چادر میں نہاں رکھ بہت کام آئے گا

دنگے خونریزی بہرحال تباہی لائیں
اپنے شہروں میں اماں رکھ بہت کام آئے گا

باطل باطل ہے بہر شکل ملامت کریئو
لا الٰہ وردِ زباں رکھ بہت کام آئے گا

وقت کے ساتھ چلو وقت کی رفتار سے دور
بھیڑ میں اپنی نشاں رکھ بہت کام آئے گا

۲۳

رہِ زندگی میں اکثر ایسا مقام آیا
نہ تو چھت تھی سر کے اوپر نہ تو سائباں کا سایا

نہ تو پاؤں میں تھے جوتے نہ لباس ڈھنگ کے تن پر
مگر علم کی تڑپ تھی، تھا حساب سر پہ چھایا

بڑا اور کچھ ہوا تو بڑھا جگ کا دائرہ بھی
چھٹے یار سب پرانے نیا دائرہ بنایا

کبھی روم و روس و ایراں کبھی یادِ رفتہ ویراں
یہ تضادِ وصل و ہجرت میں کبھی نہ بھول پایا

رہی بات جستجو کی، جو تھی علم اور سبو کی
وہ تو سلسلہ ابھی بھی، نہ چھٹا نہ چھوٹ پایا

جو سگے تھے اور اپنے، نئے نت دکھائے سپنے
نہ مجاز کا تھا قائل، نہ اصول چھوڑ پایا

یہ عجیب سی خلش ہے، نہیں اس میں اب تپش ہے
ہے، پرے بیان معنی مگر سچ بھلا نہ پایا

میں فدائے بارہ بنکی کہ جہاں کے لعل[۱] و گوہر[۲]
میرے رہنما بنے ہیں مجھے راستہ دکھایا

۱- ایر مارشل نیر رزاقی۔
۲- فیروز سمیط قدوائی (فجی بھائی)۔

۲۴

اک بار وہی دلبر و دلدار ملا تھا
سرمست مگر وہ سرِ بازار ملا تھا

چہرے پر جھریاں تھیں سن و سال کی مگر
بے ہوش تھا لیکن مجھے ہشیار ملا تھا

آنکھوں میں چمک تھی مگر چہرے سے پریشاں
مدت سے نہ اس کو کوئی غم خوار ملا تھا

دیکھا جو مجھے کہنے لگا واہ ری قسمت
میخانے میں پہلے مجھے اک بار ملا تھا

کیا خوب پلائی تھی کہ جنت کی ہو جیسے
میں ہوش میں آیا تو وہ سرشار ملا تھا

۲۵

آج کی ندیوں سے تم کو کیا بھلا مل جائے گا
جو غموں کی سب غلاظت کو بہا لے جائے گا

سیر کرنا ہی اگر مقصود ہو صبح و مسا
سیرِ دل کرتے رہو سب کا بھلا ہو جائے گا

سیرِ دل ہوتا رہا تو ایک دن دیکھو گے تم
یہ جہنم زار بھی رشکِ جناں ہو جائے گا

کوششیں اپنی رکھو جاری بصدق دل اگر
آسماں بھی ایک دن خود، سرنگوں ہو جائے گا

اپنے ہی اشعار کو ترتیب دینا ہے محال
کوثرِ رضوی کو لیکن کچھ سکوں ہو جائے گا

۲۶

چراغ لے کے بھی ڈھونڈا بھلا تو کیا ڈھونڈا
اندھیر نگری میں راجہ بھی چوپٹا ڈھونڈا

رہِ حقیقت و راہِ وفا تو کڑوی تھی
تمام عمر مگر حق کا راستہ ڈھونڈا

نہ جانے اگلے زمانے کے لوگ کیسے رہے
مجھے تو خار ملا جب بھی میں نے گل ڈھونڈا

سمندروں کے کنارے تو زندگی گذری
صدف کے بیچ بھی رہ کر گہر نہیں ڈھونڈا

۲۷

وہ کون وقت تھا قسمت نے تجھ[۱] سے ملوایا
وہ کون لمحہ تھا تیرے قریب لے آیا

نہ جانے کتنے ہی لوگوں سے مل چکا ہوں میں
تجھی پہ اس دلِ مضطر کو پیار کیوں آیا

تری نظر میں شرافت کی اک جھلک دیکھی
ترے خلوص نے شاید مجھ ہے تڑپایا

تری اداؤں نے مجھ پر ہے اک اثر چھوڑا
ترے جمال نے قلب و نظر کو گرمایا

کمال یہ ہے کہ قرآن کا گیانی ہے
تیرے گیان نے مجھ کو قریب تر لایا

۱- آدیت مترا۔

۲۸

آ تم کو بتاؤں میاں آدابِ سمندر
ساحل سے نہ دیکھو کبھی گردابِ سمندر

لوٹا ہوں جو ساحل پہ تو معلوم ہوا ہے
اپنوں نے کیا تھا مجھے غرقابِ سمندر

اک بھوک ہے اک پیاس ہے اس حسنِ ازل کی
کیا کر بھی سکے گا کبھی سیرابِ سمندر

جذبہ گر صادق ہے تو نزدیک ہے منزل
کھینے کو تری ناؤ ہے بیتابِ سمندر

غفلت کبھی نہ کرنا محبت کی راہ میں
کشتی کو ڈبونے میں ہے بیباکِ سمندر

برسوں کی سخت دھوپ میں اک آشیاں بنا
لمحوں میں بہا لے گیا سیلابِ سمندر

موجوں کی روانی میں ہے اک دکھ بھری آواز
سمجھے تو کوئی غور سے مضرابِ سمندر

یہ مد و جزر مظہر قدرت ہیں بظاہر
معلوم نہیں آج بھی اسبابِ سمندر

ہے حسنِ ازل عشقِ ازل آب میں پنہاں
ظاہر جسے کرتا ہے سب مہتابِ سمندر

تا حدِ نظر آب ہی جب آب ہو عالم
لگتا ہے بہت آج بھی جذّابِ سمندر

۲۹

تم نے جانم کیوں دیا ہے خارِ گل
سارے پھولوں میں ہے یہ بیکار گل

گل تو وہ ہے جو چبھے تو خوں بہے
ورنہ ہے چاروں طرف انبارِ گل

حسن کی رعنائیاں بڑھتی رہیں بڑھتی گئیں
وصل کی لذت بڑھی جب جب ملا اقرارِ گل

پتے پتے سے عیاں ہے ان کا جلوہ ان کی خو
میں ہی نابینا تھا جو سمجھا نہیں اظہارِ گل

وائے نادانی مری کہ گلرخوں کے بیچ میں
زندگی بیتی بدونِ نکہت و اذکارِ گل

گل تو نازک ہے بہت حساس ہے یہ قدرتاً
گوشِ دل سے جب سنا پایا بہت بیزارِ گل

اپنی باتوں کا دھنی ہے کہہ دیا تو کہہ دیا
موٹے حرفوں میں لکھو لکھنا ہے گر کردارِ گل

جب بھی کلیاں بولتی ہیں، ان کی خوشبو سے چمن
کی بلبلیں بھی بن گئیں شیریں سخن گفتارِ گل

سرگذشتِ گل کا لکھنا بھی بہت دشوار ہے
ابتدا کرتے ہی پائی ہر کلی خونبارِ گل

کیسی کیسی داستانیں بلبل و گل کی سُنیں
سب کے سب اوراق تھے جذبات سے سرشارِ گل

سو جتن کے بعد بھی کوشش سے وہ ملتا نہیں
ہے اگر قسمت میں ہوجاتا ہے بس دیدارِ گل

بے بسی اس رات کی الفاظ کہہ سکتے نہیں
ہے زباں قاصر بتاؤں کس طرح انکارِ گل

پھونک ڈالا ہے چمن کو بلبلیں بھی مرگئیں
کیا پتہ تھا باغباں ہی بن گیا غدّارِ گل

میں بہت خوش خوش چلا تھا سیرِ گلشن کو مگر
مضمحل لوٹا وہاں سے دیکھ کر آزارِ گل

کچھ کلی کو دیکھ کر مایوس دل خوش بھی ہوا
جیسے ویرانے میں مل جائے کوئی غمخوارِ گل

ان میں کچھ ایسے بھی نکلے جو وفا کے بھیس میں
خوش زباں رہ کر بھی ثابت ہوگئے عیارِ گل

جب تھا میں محوِ گلستاں دور سے خوشبو ملی
اک سراپا دور سے آیا نظر عطارِ گل

ہے تجلی گل کی اتنی کوچہ و بازار میں
ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں کس طرح انوارِ گل

سب کے سب ہی بولتے ہیں اپنے رب کی داستاں
چشمِ بینا چاہیے پڑھنے کو یاں اخبارِ گل

شومیِ قسمت کہیں یا اپنی نادانی کہیں
ہوکے ستّر سال کے سمجھے نہیں اسرارِ گل

بس کرو محمودؔ اپنی یادہ گوئی بند کرو
کچھ عمل کر کے دکھاؤ بند کرو اشعارِ گل

۳۰

ہے زندگی کی دوڑ عجب دورِ زیر و بم
پہنچے اسی جگہ پہ چلے تھے جہاں سے ہم

دیکھی ہے میں نے ان کی محبت قریب سے
سہتا رہا ہوں آج تلک ان کا ہر ستم

وہ تو بڑا کریم ہے، پروردگار ہے
قسمت میں کچھ کو زیادہ ملا اور کچھ کو کم

اللہ تیرا شکر، تو ہے ربِّ دو جہاں
مجھ پر سدا سے تیرا رہا لطف اور کرم

کھانے کو نعمتیں ملیں، پہننے کو کمخواب
بستر حریر و ریشمی اور نیک دل حرم

فرزند ارجمند بھی تو نے عطا کیے
گر ایک بھولا بھالا ہے تو دوسرا ہے جم

اللہ تیرا شکر کہ ہمیں دوست[1] بھی ملے
مشغول اس قدر ہیں کہ آتے نظر ہیں کم

نسبت ضرور ان کو امامِ رضا سے ہے
آنکھیں ہیں جن کی یادِ خدا میں ہمیشہ نم

مدت سے انتظار ہے آئے نہیں ہیں وہ
لہرا کے ایسے چلتے ہیں جیسے نہیں ہے دم

آجاؤ سب ہیں آپ کے شدت سے منتظر
آجاؤ پھر کہ شعر کی محفل سجائیں ہم

۱- سید محمد کوثر رضوی شاعر اہلِ بیت۔

۳۱

ترکِ لذّت شرط سمجھو نورِ عرفاں کے لیے
شمع بن سکتا نہیں ہے شہد میں آلودہ موم[۱]

ہوش میں آؤ سنبھل کر سوچ کر رکھو قدم
اب نہ جاگے گی تو کب جاگے گی یہ خوابیدہ قوم

ہے توہُّم یہ کہ یہ دن خوب ہے وہ خوب تر
سارے دن اللہ کے بدھ ہوں کہ منگل یا کہ سوم

ٹھیک اس بنیاد پر رب نے بنائے رات دن
ہر گھڑی اچھی بنائی کچھ نہیں منحوس و شوم

کر وہی جو دل کو بھاتا ہے نہ سن اوروں کی بات
تھے عمل پیرا اسی پر رات دن بابائے قوم

ہے ارادہ پختہ تو منزل بھی پھر نزدیک ہے
فرق کچھ پڑتا نہیں دلّی ہو یا کہ ملکِ روم

۱- اس مصرعہ میں موم فاعل ہے۔

۳۲

محمود زندگی کے نشیب و فراز دیکھ
پہونچے ہیں کس مقام سے ہم کس مقام تک

جن کے بغیر لمحہ گذرنا محال تھا
اب کوئی واسطہ نہ سلام و کلام تک

اک روز ایسا آئے گا جو دور بھی نہیں
لب بھی پہنچ نہ پائیں گے فنجان و جام تک

کیسی گھڑی وہ عشق کی ہوگی خدا پناہ
طے کرنی راہ تنہا ہے دارالسلام تک

ماضی کی یاد تازہ کریں، شادماں رہیں
اچھی پہنچ تھی آپ کی بھی لالہ فام تک

عادت سی پڑ گئی ہے یہ منہ کی لگی ہوئی
شاید یہ سلسلہ رہے ماہِ صیام تک

سورج طلوع ہوا ہے تمازت تو دیکھئے
ہے صبح کا یہ حال تو کیا ہوگا شام تک

۴۴

محبت بکتی ہو گر شہر میں ایسی دکاں ڈھونڈیں
کدورت دل کی ڈھلتی ہو جہاں ایسی دکاں ڈھونڈیں

سکونِ دل میسر ہو کوئی ایسا مکاں ڈھونڈیں
مناسب اب نہیں ہر چیز میں سود و زیاں ڈھونڈیں

بگڑتی بات بھی بن جاتی ہے شیریں زبانی سے
اگر بکتی ہو تیرے شہر میں ایسی زباں ڈھونڈیں

کہاں تک نفرتوں کی چھت پہ بیٹھے دھوپ سینکو گے
اتر آؤ زمیں پر، پیار کا کوئی مکاں ڈھونڈیں

سنا ہے شہر میں ہفتے کا اک بازار لگتا ہے
اگر بھولے سے مل جائے وہاں اردو زباں ڈھونڈیں

شبِ دیجور کی چوری ہو یا ہو روز روشن کی
پتہ تو مل ہی جائے گا چلو کوئی نشاں ڈھونڈیں

بہت مشکل ہے لفظوں میں پرونا دل کی حالت کو
بتائے ہی بنا جو بات کہہ دے وہ بیاں ڈھونڈیں

بہت گھبرا گئے ہیں زندگی کے شور سے عالَم
جہاں بجتی ہو بنسی چین کی ایسا جہاں ڈھونڈیں

۳۴

دو یار اہلِ دل ہوں، اور بادۂ کہن
فرصت ہو، اک کتاب ہو اور گوشۂ چمن

دنیا و آخرت کی سبھی نعمتیں نثار
پیچھے بھی پڑ گئے ہوں گر اربابِ انجمن

ہونے نہ دیں گے رونقِ دنیا کو ہم بھی کم
تجھ جیسے پارسا سے اور فاسق مثالِ من

دنیا کے بدلے جس نے قناعت کو دے دیا
یوسف کو اس نے بیچ دیا مفت و بے ثمن

دنیا کی بے ثباتی پہ رونا بھی آتا ہے
کیسے یہاں گلاب تھے، کیسے تھے نسترن

یادوں سے جن کی اب بھی بہلتا ہے جی مرا
سادات تھے کئی تو کئی ان میں برہمن

جانا تو اب قریب ہے اے عالمِ فانی
کب تک بنے رہو گے یہاں شمعِ انجمن

۳۵

شاذ تمکنت کے اصرار پر ''بزم احباب'' پونہ میں جب پہلی بار شریک ہوا

حاضر ہوا ہوں آج تیری انجمن میں میں
افسوس ساتھ لایا نہیں گلبدن کو میں

مدت سے آرزو تھی کہ ہوتا شریک بزم
سنتا ترا کلام، سناتا سخن بھی میں

آوارگی عشق کہیں یا کہیں جنوں
آوارہ پھر رہا ہوں تلاشِ ختن میں میں

آرام و عیش چھوڑ کے منصور کی طرح
منزل تلاش کرتا ہوں دار و رسن میں میں

دیکھیں جناب آپ بھی شعروں کی دلکشی
لکھی غزل ہے بیٹھ کر سرو سمن میں میں

۳۶

ممکن ہے ڈگمگایا ہو، وہ بھوک پیاس سے
کیا سارے گرنے والے ہی میخوار ہوتے ہیں

ممکن ہے وہ گھبرایا ہو پھولوں کی باس سے
گلشن میں ڈسنے والے فقط خار ہوتے ہیں

دل پر کسی غریب کے چپکے سے رکھ کر ہاتھ
سنیے صدائے دل بڑے بیزار ہوتے ہیں

ہم نے تو سنبھل کر ہی قدم رکھا تھا ہردم
پر کیا کریں کہ حادثے ہربار ہوتے ہیں

عاؔلم چلے ہو جانبِ منزل ابھی مگر
معلوم ہے کہ راستے دشوار ہوتے ہیں

۳۷

عجیب شخص ہوں زخموں کو پھول کہتا ہوں
عجیب بات ہے پیسے کو دھول کہتا ہوں

دیا جلا کہ اندھیرے کو روشنی کہہ دی
یہ بات سچ ہے مگر کیوں فضول کہتا ہوں

کبھی تو نرگس جادو بھی مجھ کو چبھتی ہے
میں اس کے جسم کو خارِ ببول کہتا ہوں

تمام کوشش و کاوش کے بعد بھی نہ ملے
تو گل رخوں کی ادا کو فضول کہتا ہوں

ہمارے شعر میں وحدت کی بات ہوتی ہے
کرو جو غور، پیامِ رسول کہتا ہوں

اسی کا فیض ہے جس نے ہمیں بھی جدت دی
اسی کو شعر کا شانِ نزول کہتا ہوں

وہ میری مانے نہ مانے مجھے نہیں شکوہ
مگر میں ان کی نصیحت قبول کرتا ہوں

عجب بہار میں گذری ہے زندگی عالم
گلوں کے خار کو اپنا حصول کہتا ہوں

۳۸

مرے جنوں کو وہ وحشت کا نام دیتے ہیں
حقوق مانگوں تو دہشت کا نام دیتے ہیں

کبھی جو وعدہ کیا دوستی نبھانے کا
بجائے تیر وہ خالی نیام دیتے ہیں

اگر بتاؤ کہ میں بھی ہوں تیرا شیدائی
شہید کر کے بھرا خوں میں جام دیتے ہیں

کبھی جو تشنہ لبی کی دہائی بھول سے دی
وہ ایسے راز کو تشہیرِ عام دیتے ہیں

میں جن کو اہلِ بصیرت سمجھتا ہوں عالمؔ
دلیل اپنی ہمیشہ وہ خام دیتے ہیں

۳۹

ہزاروں چہرے مجھے اجنبی سے لگتے ہیں
ہمیشہ بھیڑ میں خود کو تلاش کرتا ہوں

نہ کوئی آج تلک صاحبِ کمال ملا
عجیب بات ہے اب بھی تلاش کرتا ہوں

کبھی جو بزم میں لطف و کرم کا ذکر ہوا
کریم شکل کو میں بھی تلاش کرتا ہوں

لگی ہو بھوک تو روٹی کی چاہ لازم ہے
انھیں گلہ ہے کہ روزی تلاش کرتا ہوں

جھلستی دھوپ میں آنچل کی چھاؤں گر چاہی
انھیں گلہ ہے کہ سایہ تلاش کرتا ہوں

انھیں گلہ ہے کہ رشوت کبھی نہیں لیتا
انھیں گلہ ہے کہ خوشیاں تلاش کرتا ہوں

حسین چہرہ بھلا کس کو ہے نہیں بھاتا
گلہ ہے ان کو کہ ہر سو تلاش کرتا ہوں

بتاؤ ان کو کہ شاعر کا دل ہے آئینہ
ہر ایک چہرے میں چہرہ تلاش کرتا ہوں

۴۰

دورِ حاضر کی سیاست میں نے پہچانا نہیں
ڈوبتے سورج کی جانب بھول کر جانا نہیں

جب تلک دیدیں نہ تم کو ساس سونے کے توے
اپنی بیوی کو تم اپنے پاس بلوانا نہیں

کون اب باتیں اصولوں کی کرے اس دور میں
جب تلک پیسے نہ دیدیں کورس پڑھوانا نہیں

چار سو جلتے رہے تاریک راتوں میں دیے
کیا قیامت آگئی شمع ہے پروانہ نہیں

میں جانتا ہوں سب سبب الفاظ آمادہ بلب
دیکھو میاں اس راز کو اب مجھ سے کھلوانا نہیں

کل تلک جو در پہ میرے حاضری دیتے رہے
آج مجھ کو دربدر دیکھا تو پہچانا نہیں

۴۱

بھرم تیری محبت کا بڑی مشکل سے ٹوٹا ہے
زمانے بھر کی یادوں کو دلِ خوگر کہاں رکھوں

بہت سی حسرتیں ناقابلِ تحریر ہوتی ہیں
لکھوں گر داستاں اپنی تو پھر دفتر کہاں رکھوں

ترے بخشے ہوئے زخموں کی یادیں اب بھی تازہ ہیں
چھپاؤں زخمِ دل کیسے بھلا نشتر کہاں رکھوں

زمیں پر آسماں پر بحر و برّ یا چاند تاروں پر
میں اپنی فکر کی پرواز کے منظر کہاں رکھوں

اتر کر آسماں سے خود بخود جو دل میں بس جائیں
بتانِ آذری و حسن کے پیکر کہاں رکھوں

منافق سارے تیری سجدہ گاہوں پر مسلط ہیں
کہاں سجدہ کروں یا رب، میں اپنا سر کہاں رکھوں

ہمارے ملک میں اب اس قدر بھونچال آتے ہیں
سمجھ میں کچھ نہیں آتا میں اپنا گھر کہاں رکھوں

۴۲

نہیں حاصل سکونِ دل مجھے اس دارِ فانی میں
مگر جب دل تڑپتا ہے تو اکثر شعر کہتا ہوں

چمن میں اپنی روداد یں زباں پر لا نہیں سکتا
غلط کرنا ہو جب غم کو تو اکثر شعر کہتا ہوں

تحمل اب نہیں ہوتی ریاکاری چمن والو
میں جب آنکھیں ہوئی ہیں نم تو اکثر شعر کہتا ہوں

گراوٹ ذہن کی دیکھی ستونِ علم و دانش کی
بھرم جب بھی کھلے ان کے تو اکثر شعر کہتا ہوں

بھرم کی بات کیا کرنا سیاست کی چتاؤں پر
جلے جب بھی ہیں اہلِ دل تو اکثر شعر کہتا ہوں

۴۳

دل خوش ہوا کہ آپ کو میری بھی فکر ہے
راوی نے مجھ کو کل ہی سنائی یہ داستاں

نظر کرم سے آپ کے ذرہ ہو آفتاب
چاہیں تو کر دیں آپ زمینوں کو آسماں

میں بھی حقیر پھول اسی گلستاں کا ہوں
اور آپ تو ہیں سارے گلستاں کے باغباں

تقریر سن کے آپ کی اردو زبان میں
دل خوش ہوا عزیز مرے، میرے مہرباں

اللہ تم کو اور ترقی کرے نصیب
بننا ہے تم کو فخرِ وطن فخرِ خانداں

موقع ملا ہے خوب غریبوں کی کر مدد
ایسا ہی کرتے آئے ہیں سب میر کارواں

دیکھو کرشن میرے تم رادھا کو دیکھ کر
کیوں ہکابکا رہتے ہو جیسے ہو بے زباں

دلجوئی ان کی کر کے انھیں خوش رکھا کرو
بن جاؤ شیر و شکر و دو جسم ایک جاں

۴۴

دل پر نہ اختیار ہو جب آدھی رات میں
ہر ذرہ آفتاب لگے آدھی رات میں

بیہوش لوگ مست تھے غفلت کے خواب میں
میرؔ، ان سے ہم کلام ملا آدھی رات میں

میں نے دیکھی جب بت کافور کی جھلک
عقل و خرد نثار ہوئی آدھی رات میں

آنکھیں جو بند کیں گھڑی بھر کے لیے تو بس
ساتوں فلک کی سیر ہوئی آدھی رات میں

کروٹ بدل بدل کے بھی جب مل سکا نہ چین
تصویر کام آئی تری آدھی رات میں

مانگی خدا سے میں نے دعا گڑگڑا کے جب
تقدیر صاف آئی نظر آدھی رات میں

اللہ کا کرم ہے کہ مرنے کے بعد کی
تصویر صاف آئی نظر آدھی رات میں

مدت سے جس جھلک کو ترستا تھا رات دن
تنویر اس کی آئی نظر آدھی رات میں

دنیا کی بے وفائی کا سب بھید کھل گیا
تقصیر اپنی آئی نظر آدھی رات میں

محمودؔ اپنا راز بتا کر کے سو گئے
عالَم مگر تباہ ہوا آدھی رات میں

۴۵

ایک بار گر دستِ حاجت تم نے پھیلا ہی دیا
زندگی بھر اب تم اپنا سر اٹھا سکتے نہیں

ہم ہیں موضوعِ سخن دن رات سب معلوم تھا
کشمکش گر کوئی پوچھے تو بتا سکتے نہیں

کوئی مقناطیس ہے جو کھینچتا ہے اس طرف
کوچۂ جاناں کو لیکن گھر بنا سکتے نہیں

ہم ہیں بیتابِ سخن پر ان کو فرصت ہی نہیں
داغِ دل داغِ جگر بھی ہم دکھا سکتے نہیں

امتحانِ زندگی کی کون سی منزل ہے یہ
داستانِ سرگذشت اپنی سنا سکتے نہیں

ہم کیوں ہوئے حساسِ دل ہوتے ہم اوروں کی طرح
عکسِ دل چہرے سے ظاہر ہے چھپا سکتے نہیں

۴۶

ہر لمحہ زندگی کا تیری یاد میں گذرے
ہر آن ترا نام میرا وردِ زباں ہو

یارب مرے اخلاصِ محبت کا سفینہ
ڈوبے بھی تو ہر محفلِ عاشق میں بیاں ہو

یارب مرے اشعار میں تو اپنی طرف سے
تاثیر وہ بھر دے کہ بیاں دردِ جہاں ہو

اس بات کی درخواست ہے تجھ سے مرے مولا
ہر عشق کا پروانہ رہے خوش وہ جہاں ہو

۴۷

آج کے اس دورِ پر آشوب میں ولی وہ ہے
کہ جس کے قول میں اور فعل میں تضاد نہ ہو

بھلا میں کیسے اسے قوم کا رہبر کہہ دوں
کہ جس کے فعل سے اس قوم کا مفاد نہ ہو

میں آدھی رات میں خوابوں میں چیخ پڑتا ہوں
کہ یہ پکار کہیں نعرۂ جہاد نہ ہو

میں ڈرتا رہتاہوں واعظ کی بات سننے سے
کہ اس کے وعظ کے آغوش میں فساد نہ ہو

کوئی بھی منزلِ مقصود پا نہیں سکتا
کہ جب تک قوتِ بازو پہ اعتماد نہ ہو

۴۸

نسیمِ صبح نے غنچے سے مسکرا کے کہا
اٹھو کہ صبح ہوئی، ختم اب فسانہ ہے

کلی کی آنکھ کھلی، ساتھ ہی ندا آئی
سنبھل کے رکھنا قدم موت کا بہانہ ہے

گری تھی بجلی جہاں، خاک کردیا جس کو
ستم ظریفو! وہی میرا آشیانہ ہے

سنا جو شعر تو برجستہ آسماں نے کہا
کہاں سے لایا یہ انداز شاعرانہ ہے

کہا رقیبوں نے یہ راز آپ کیا جانیں
''ذرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے''

۴۹

ذرا آہستہ لے چل کاروانِ شعرِ حافظؔ کو
کہ سطحِ ذہن شاگردان ناہموار ہے ساقی

پڑھیں وہ اس طرح کہ یاد رکھیں بادہ و ساغر
تصوف کی زباں میں یہ سبھی میخوار ہیں ساقی

بنیں گے کل ستونِ علم و دانش قوم و ملت کے
بظاہر جو یہاں کے حال سے بیزار ہیں ساقی

دکھا دے اک جھلک ان کو بھی اپنے دور ماضی کی
وہ بجھتی شمعیں اب بھی منبعِ انوار ہیں ساقی

یہی کل ظالموں کے درِ خیبر کو اکھاڑیں گے
تمہیں معلوم کیا یہ حیدرِ کرار ہیں ساقی

بہک جاتے عالمؔ بھی ہمیشہ درس دینے میں
مگر یہ درد بھی تو قابلِ اظہار ہیں ساقی

۵۰

سوکھے ہوئے زخموں کی گرہ کھول رہا ہے
اعجازِ ستم یہ ہے، ستم بول رہا ہے

جب غور سے دیکھا تو یہ معلوم ہوا ہے
خوشیوں کے پسِ پردہ بھی غم بول رہا ہے

کچھ اپنی سنا کے کبھی جگ بیتی سنا کے
اک دوست اب میرا ہی سخن تول رہا ہے

کہنے کو وراثت میں ملی مجھ کو شجاعت
اس معرکۂ زیست سے دل ہول رہا ہے

۵۱

نگاہِ حسن جب گویا ہو تو تصویر بنتی ہے
دِگر خوبی تو بس تصویر کی تفسیر ہوتی ہے

صبا کے دوش پر بیٹھو چمن میں جا کے بس جاؤ
تو دیکھو گے کہ کوشش سے نئی تقدیر بنتی ہے

یہ شیوہ ہے زمانے کا ہمیشہ ہوتا آیا ہے
جو سچی بات کرتا ہے اسے زنجیر ملتی ہے

سزا مجھ کو ملی تھی جس عدالت سے وہ تیری تھی
قضاوت کے صحیفوں پر تری تحریر ملتی ہے

یہ میرا خواب تھا قدموں کو تیرے سجدہ کرنے کا
بڑوں کے سامنے جھکنے سے ہی توقیر ملتی ہے

مہ و خورشید بھی ہیں روشنی ہی کے لیے عالمؔ
مگر مجھ کو رخِ انور سے ہی تنویر ملتی ہے

۵۲

میرے مولا مرے لفظوں کو معانی دے دے
جو بھی لکھوں تو اسے ایک کہانی دے دے

لکھنا چاہوں میں اگر معرکۂ بدر و حنین
اس ضعیفی میں مجھے شعلہ بیانی دے دے

تو تو مولا ہے ترے پاس ہے پل پل کی خبر
جسدِ خاکی کو مرے نورِ فشانی دے دے

تو تو داتا ہے ترے دینے کی حد ہے نہ حساب
مرے شعروں کو فقط حسنِ معانی دے دے

دور سے دیکھ کے بتلادیں مرے مرقد کو
بیچ قبروں کے مجھے ایسی نشانی دے دے

زندگی گذری مری لہو و لعب میں مولا
توبہ کرنے کو مجھے پھر سے جوانی دے دے

۵۴

اگر منزل کا جذبہ ہے تو خود تدبیر ملتی ہے
مجھے تاریکیوں سے ہر گھڑی تنویر ملتی ہے

مقدر میں بھٹکنا ہے تو پھر منظور ہے مجھ کو
لکیریں جب بھٹکتی ہیں تو اک تصویر ملتی ہے

ہمیشہ سچ کی قدر و منزلت ہوتی ہے دنیا میں
مگر حاکم ہو خود جھوٹا تو پھر زنجیر ملتی ہے

کہاں تک بچ سکے گا خون کے الزام سے منصف!
کہ ہر الزام نامے پر تری تحریر ملتی ہے

تم قسمت نام دیتے ہو مشقت نام ہے جس کا
سمجھ لو صرف محنت سے سبھی توقیر ملتی ہے

لٹا جب، شب کی تاریکی بھی تھی تنہا بھی تھا
مگر اس واقعہ کی ہر جگہ تفسیر ملتی ہے

۵۴

میں نے تو کھول رکھی ہے ساری کتابِ عمر
اے محتسب شہر تو اپنا حساب دے

صابر ہوں صبر ظلم و تشدد کی داد دے
اے شہرِ یار مجھ کو بھی کوئی خطاب دے

اک بے گنہ کو دار پہ لٹکا کے کیا ملا
منصف اگر ہے رب کی قسم تو جواب دے

میرے خلاف جرم کا گر شائبہ بھی ہو
جس جگ، جب بھی چاہے تو مجھ کو عذاب دے

باطل کا جھوٹ سچ میں بدلنے کا خوف ہے
خیبر کے در کو پھر سے کوئی بوتراب دے

عریانیت کی حد سے تجاوز کے بعد اب
اے حق پرست کچھ تو اسے بھی حجاب دے

اللہ کا خوف پہلے دلوں میں رہے مقیم
اور اس کے بعد حُبِّ رسالتمآبؐ دے

جب دل میں کوئی زخم ہو ناسور کی طرح
مرہم کے لیے صلِّ علیٰؐ کا لعاب دے

عاؔلم خدا نہ کردہ کبھی ہوش میں آئیں
جب ہوش میں آئیں تو پھر ان کو شراب دے

۵۵

ہم سفر کے ساتھ چلنا میری مجبوری بھی ہے
وہ مری طاقت بھی ہے اور میری کمزوری بھی ہے

زندگی کے آخری ایام میں ظاہر ہوا
مہ جبینوں سے محبت اس کی بیماری بھی ہے

مجھ پہ ڈورے ڈالتے ہی رہ گئے مال و متاع
مِہرِ رب کے ساتھ اس میں میری خودداری بھی ہے

شرک کی لعنت میں دیکھو میں ملوث ہوگیا
بت پرستی میں تو شامل نازبرداری بھی ہے

اک جھلک دیکھی جو اس کی ہوگیا بے ہوش میں
اک غشی سی مثلِ موسیٰؑ آج تک طاری بھی ہے

میں نے دیکھا ہے بہت نزدیک سے زہد و ریا
بس اشارے میں کہوں گا ان میں عیاری بھی ہے

تم تو محوِ جشنِ آتش تھے تمہیں معلوم کیا
جس کا بیٹا جل گیا وہ بیوہ، بیچاری بھی ہے

اک طرف ہیں قہقہوں کی بارشیں جشن و سرور
دوسری جانب گھروں میں نوحہ و زاری بھی ہے

عمر بھر میں نے جلائی ہیں وفا کی مشعلیں
بھول بیٹھا سامنے والے میں عیاری بھی ہے

قافلہ لٹتا رہا اور وہ مزہ لیتے رہے
رہزنوں کے ساتھ پوشیدہ وفاداری بھی ہے

عالمِ فانی نے کچھ اشعارِ لافانی کہے
کیا پتہ اس دور میں اُن کا کوئی قاری بھی ہے

۵۶

ہر ذرہ گل فشاں ہے نظر چور چور ہے
نکلے ہیں میکدہ سے تو چہرہ پہ نور ہے

ساقی بدست خود ہی پلادے اگر مجھے
پانی میں بھی سرور شراب الطہور ہے

لطف و کرم تو عام ہے ساقی کا دہر میں
ہم خود ہی بدنصیب ہیں اپنا قصور ہے

منزل کا شوق راستے کو مختصر کرے
نزدیک ہوتی جاتی ہے منزل جو دور ہے

کل تک جو پُر غرور تھا نشہ میں چور تھا
اللہ کی پناہ وہ میرے حضور ہے

نیرنگیٔ زمانہ ہو کروٹ ہو وقت کی
بدلا نہ بدلے گا کبھی جو بھی غیور ہے

محمودؔ کی غزل میں یہ اشعار کے تیور
یہ فارسی کی دین ہے اپنا شعور ہے

لکھتے رہو اشعار اور کوثر کو سناؤ
اب چھیڑنے کا ایک الگ ہی سرور ہے

۵۷

آئیں غریب خانہ پر تو شعر بھی سنیں
کچھ چائے وائے پینے کا بھی تو رواج ہے

شام سے میں صبح تک اور صبح سے پھر شام تک
مکھی ہی مارا کرتا ہوں کچھ کام ہے نہ کاج ہے

اک عشق ہے کہ جو مجھے دیتا ہے روشنی
وہ نورِ مجسم ہے چراغ و سراج ہے

تاریکیوں میں جس نے دی امید کی کرن
وہ منبعِ انوار و مجسم سراج ہے

تعریف روشنی کی ہے الفاظ سے پرے
وہ قبلۂ حاجات سب عاشق مزاج ہے

اس روشنی نے دی مجھے دنیا کی سروری
ہوں بادشاہ وقت، نہ مرے سر پہ تاج ہے

کہتے ہیں جسے عشق وہ ہے مرض لاعلاج
پر عشق زندگی کی میری احتیاج ہے

مطلوب رہنما ہے وہ میرا خطیب ہے
شرق و غرب کا وہ حسین امتزاج ہے

۵۸

محافظ میرا ہی مجھ کو فریب دیتا ہے
بچانے آتا ہے مجھ کو مِٹا کے جاتا ہے

بھروسہ کرنے کے قابل نہیں رہے دستے
وہ شر پسندوں کا ہی کھل کے ساتھ دیتا ہے

ہوا بھی شہر کی زہریلی ہوگئی ساری
وہ خود ہی مرتا ہے کھل کر جو سانس لیتا ہے

۵۹

بہت دنوں سے تڑپ ہے کہ شعر ایسا لکھوں
ہزاروں سال زمانہ جسے بھلا نہ سکے

لکھوں میں دل کی کہانی بچشمِ نم ایسی
کہ جس کو لوحِ زمیں سے کوئی مٹا نہ سکے

قلم سے خود ہی ٹپک جائے حدیثِ دلجوئی
پڑھے تو حرفِ شکایت زباں پہ لا نہ سکے

بہ اثر شعر بنے ایک ایسی بزمِ طرب
قدم رکھے جو یہاں پھر یہاں سے جا نہ سکے

یہ ایسی بزم ہو جیسے کہ پیار کا مندر
سوای پیار کا شربت کوئی پلا نہ سکے

کشش ہو ایسی کہ وہ خود بخود چلا آئے
چہک کے بزم میں رہ جائے اور جا نہ سکے

جہاں ہر شخص ہی وحدت کا گیت گاتا ہو
خیال وصف صنم ذہن میں بھی آ نہ سکے

۶۰

مجھ کو اگر ملی نہ دنیا کی بادشاہی
مضمر ہے اس میں شاید کچھ حکمتِ الٰہی

نانِ جویں جو کھاتے آبا کی شان رکھتے
برباد ہوگئے ہم کھاکے مرغ و ماہی

وارث ہوں اس نبی کا جو دل کی سلطنت پر
کرتے ہیں راج سب پر بے تیغ، بے سپاہی

روشن ضمیر والے سب اٹھ گئے جہاں سے
باقی جو بچ گئے ہیں لہو و لعب کے راہی

لڑتے رہے ہیں ہردم مذہب کے نام پر ہم
خود ہی بنے رہے ہیں ہم باعثِ تباہی

قاتل ہے کتنا شاطر خود ہی گیا عدالت
ثابت کرے گا سب پر وہ اپنی بے گناہی

کیسے بتاؤں تم کو دنیا یہ کچھ نہیں ہے
دیکھو تو چشمِ دل سے لوگوں کی بے پناہی

مانگو گنہ کی بخشش اب گڑگڑا کے عالؔم
دھوتے ہیں خوں کے آنسو سب قلب کی سیاہی

ہے عشق کی یہ وادی، دشوار راستہ ہے
سنبھلے تو باغ و بلبل، پھسلے تو پھر تباہی

محمودؔ اس جہاں میں کوئی نہیں ہے اپنا
جھوٹے ہیں سب کے وعدے جھوٹی ہے خیر خواہی

عالؔم رہے ہیں تنہا ہر بھیڑ میں اکیلے
اشعار دے رہے ہیں اس بات کی گواہی

۶۱

مجھے دشواریوں کا غم نہیں ہے
قدم بڑھتے رہیں یہ کم نہیں ہے

مرے پہلو میں جب تک وہ حسیں ہے
مجھے دنیا کا کوئی ڈر نہیں ہے

ہمیشہ ہی رہا پیری پہ نازاں
ہمارے پاس جو زہرہ جبیں ہے

حکومت چار سو اب بھی ہے قائم
بلا سے آج مال و زر نہیں ہے

بدل دیں گے وہ تیری شکل و صورت
نشانے پر ابھی پردہ نشیں ہے

تصور میں انھیں اس طرح دیکھا
قدم ان کے جہاں میری جبیں ہے

بہت ہوں گے حسیں یونان و ایراں
کسی سے کم نہیں اپنی زمیں ہے

بہت ہیں منتشر اشعار میرے
مگر افسوس ہے گلچیں نہیں ہے

ہزاروں خوبرو اب بھی یہاں ہیں
مگر وہ سیمتن سیمیں نہیں ہے

حکایت ہے مری دلچسپ لیکن
ترے لب کی طرح رنگیں نہیں ہے

سناؤں داستانِ زندگی کیا
یہاں فرہاد ہے شیریں نہیں ہے

یہ سب کچھ ہے مگر محمود عاؔلم
خود اپنے حال سے غمگیں نہیں ہے

وہ کیا جذبات تھے، اب سرد مہری
وہی گیسو مگر مشکیں نہیں ہے

لگن سچی ہو جب محمود عاؔلم
تو کوئی کام بھی سنگیں نہیں ہے

۶۲

بہت نازک ہے شیشہ کی طرح دل ایک شاعر کا
ذرا سی بات پر دل اس کا چکنا چور ہوتا ہے

بہت ایسے ہیں دنیا میں نہیں دل پر اثر لیتے
مگر حساس دل پر یہ اثر فی الفور ہوتا ہے

چھپا سکتا نہیں ناراضگی دل کی کسی صورت
وہ شیشے کی طرح ہے جس کا دل بلور ہوتا ہے

جو سچ پوچھو ادا کرتا ہے اپنا سب فریضہ بھی
کئی معنی میں اپنے گھر کا وہ مزدور ہوتا ہے

نہیں پروا اسے ان کی نہ ہو جن میں رواداری
تعلق اس سے کیا رکھنا کہ جو مغرور ہوتا ہے

جہاں اس کا الگ ہے، خواب کی دنیا میں رہتا ہے
مگر سچ ہے اسی دنیا میں وہ مسرور ہوتا ہے

ترے فرمان کو مانا، ترے احکام کو مانا
الٰہی کیوں ترا بندہ سدا مجبور ہوتا ہے

زمانے کا چلن دیکھا، کئی کو آزمایا بھی
جسے صورت ملی اچھی وہی مغرور ہوتا ہے

عجب سی بات لگتی ہے وہ احمق ہو کہ عالم ہو
وہی رہبر بنا جو دشمنِ جمہور ہوتا ہے

دلیلیں سب ہوئیں باطل، خرد منہ رہ گئی تکتی
ہوا آخر وہی جو آپ کو منظور ہوتا ہے

کہاں کا اختیار اپنا، نہیں ہے اپنے بس میں کچھ
مگر ملتا گیا سب کچھ کہ جو مقدور ہوتا ہے

۶۳

تبدیلی میرے یار کے قلب و جگر میں ہے
کیوں بہکی بات کرتا ہے، کس کے اثر میں ہے

کیوں خوش ہوا تھا میرے سفینے کے غرق پر
کیوں بھولتا ہے ناؤ بھی اس کی بھنور میں ہے

اک پاؤں تیرے کوچے میں اک پاؤں دیر میں
دیوانگیٔ عشق بتاں میرے سر میں ہے

صحرا کی خاک چھانی ہے بھٹکا بھی چار سو
حاصل نہیں ہوا جو سکوں میرے گھر میں ہے

۶۴

ہے قلم کی مار اصلی جس سے ڈرنا چاہیے
مات کھائی ہی نہیں میں نے کبھی تلوار سے

گلشنوں میں زخم کھانا خار سے تو عام ہے
میں سدا گھایل ہوا ہوں نرگسِ بیمار سے

وقتِ پیری دوستوں کی بے رخی کا کیا گلہ
''بچ کے چلتے ہیں سبھی گرتی ہوئی دیوار سے''

ہے اگر قسمت میں ساحل ناخدا لے جائے گا
آج تک پہنچا نہیں کوئی فقط پتوار سے

رات کالی گھُپ اندھیرا اور میں طوفاں کے بیچ
کیا مزا آیا تھا کشتی لڑنے میں منجدھار سے

ناخدا اوپر ہے نیچے میں ہوں اور میرا یقین
سب سمجھتے ہیں کہ کشتی چلتی ہے پتوار سے

زہد اپنا طاق پر رکھ پھر مری مجلس میں آ
بات کرنے آرہا ہے آج تو میخوار سے

بس اسی صورت کی خاطر عمر بر تڑپا کیا
کیا پتہ تم کو کہ مجھ کو کیا ملا دیدار سے

لطفِ ناامید سے میں یک بیک گھبرا گیا
چوک کوئی ہوگئی ہے آج کیا سرکار سے

۶۵

ہمیشہ چاند کا چہرہ سیاہ ہوتا ہے
مہ و چکور میں پھر بھی نباہ ہوتا ہے

کسی کی نیند اڑانا تری ادا ہی سہی
کسی کے دل کو دکھانا گناہ ہوتا ہے

زمانہ والے کریں قدر تیری یا نہ کریں
زمانہ خود بھی تو آخر گواہ ہوتا ہے

خسیس سب کی نگاہوں میں کیوں فقیر نہ ہو
جو اہلِ دل ہے وہی بادشاہ ہوتا ہے

۶۶

زمانے کا بڑا سب سے وہی انسان عاقل ہے
کہے تھوڑا مگر ثابت قدم اور اس پہ عامل ہے

سخن کے ہر ولی سے معجزہ صادر نہیں ہوتا
یہ کیا کم ہے سخنور میں ہمارا نام شامل ہے

میاں کیا پوچھتے ہو دل کشی حسنِ بے پروا
سمجھ لو ریگ و صحرا میں وہ تنہا ماہ کامل ہے

مرے گلشن کے پھولوں میں کشش ہے آج بھی اتنی
عنا دل مہرباں مجھ پر محبت ان کی حاصل ہے

وفا کی داستاں بکھری پڑی ہیں اپنے آبا کی
ذرا اوراق تو پلٹو زمانہ اب بھی قایل ہے

یہ مانا حسن پھیکا پڑ گیا ہے وقت کے ہاتھوں
تری باہیں سلامت ہوں مرا دل اب بھی گھائل ہے

نہ دیکھی آج تک میں نے فقیری سے بڑی دولت
زمانہ آج بھی الفقر فخری کا ہی سایل ہے

مبارک ہو تمہیں اس بے وفا کی دوستی عالم
بنے ہو دوست تم جس کے وہی تو میرا قاتل ہے

٦٧

دوست جو بنتے تھے وہ غدار ثابت ہو گئے
بے خودی میں بھی سبھی ہشیار ثابت ہو گئے

دوستی کا نام تھا جن جن کے ماتھے پر لکھا
سب کے سب کچھ دیر میں عیار ثابت ہو گئے

ناز جو کرتے تھے اپنی تندرستی پر سدا
دیکھ کر بنت عنب بیمار ثابت ہو گئے

میں سمجھتا تھا جنہیں اک صاحبِ حساس دل
بے حسی کی زندہ و دیوار ثابت ہو گئے

چاپلوسی جو کیا کرتے تھے میری رات دن
وقت کیا بدلا سبھی مکار ثابت ہو گئے

کون اپنا ہے یہاں اور کس کو بیگانہ کہیں
وقت پڑنے پر سبھی اغیار ثابت ہو گئے

رات کی محفل میں جو بھی تھے سبھی تھے باکمال
حضرت ناصح بھی واں میخوار ثابت ہو گئے

ایک تنہا رہ گئے عالمؔ سبھوں کے بیچ میں
گلرخوں کے درمیاں بھی خار ثابت ہو گئے

۶۸

خوں ریزی ہر گام رہی ظلم و تشدد عام رہا ہے
سازش ان کی ختم کریں گے ہر حربہ ناکام رہا ہے

مت بھولو تاریخ جہاں کی ظلم جہاں بھی بڑھ جاتا ہے
دیکھو تم اوراق پلٹ کر کیا ان کا انجام رہا ہے

بستی بستی قریہ قریہ تم بھی رہے ہو، ہم بھی رہے ہیں
پیار محبت بانٹو سب میں پُرکھوں کا یہ کام رہا ہے

تم اپنے کردار سے جیتو اور سب کو گرویدہ کرلو
جس کے اندر خود غرضی ہو دیکھا قدم قدم بدنام رہا ہے

دیکھو پیارے کام کی باتیں دل سے سنو اور دل میں بٹھالو
سب سنتوں کا سب پیروں کا یہ منتر صبح و شام رہا ہے

پیار میں مرنے والوں کی فہرست بنی تھی صدیوں کی
غور سے ان کو جب دیکھا تو سب میں تیرا نام رہا ہے

غزلیں لکھی جاتی رہی ہیں صدیوں سے ہر دور میں عالؔم
سب غزلوں میں سب نے دیکھا پیار کا نغمہ عام رہا ہے

۶۹

ہر چار سو یہ شور بپا انجمن میں ہے
ہے آج کون لپٹا ہوا یوں کفن میں ہے

جو عشق میں مرا وہی منصور ہوگیا
کچھ بات تو ضرور ہی دار و رسن میں ہے

لپٹے بغیر رہ نہ سکا اس کی قبر سے
مرنے کے بعد بھی کشش اس کے بدن میں ہے

سن کر کے نام تیرا چلے آئے تھے ورنہ
گلشن میں کیا رکھا ہے کیا سرو و سمن میں ہے

دل کی سنو تو دل کی کہوں اے مرے عزیز
پرکھوں کے شعر کی جھلک میرے سخن میں ہے

۷۰

کل رات تاش بیٹھے ہوئے کھیل رہے تھے
اور اپنے دل کی بات سبھی بول رہے تھے

عالم نے سنائی شب رفتہ کی کہانی
باقی جو تھے وہ بیٹھے ہوئے ڈول رہے تھے

دلچسپ کوئی بات تھی از حسن و جوانی
کانوں میں ان کے لفظ بھی رس گھول رہے تھے

گُلدیپ مگر بیٹھے باندازِ خموشی
الجھی ہوئی گتھی کو کچھ کھول رہے تھے

معلوم نہیں کھوئے تھے کس وہم و گمان میں
ہر لفظ کو ہر حرف کو وہ تول رہے تھے

یارب نہ دکھانا کبھی اس رات کا منظر
سمجھو کہ شیاطین کے دل ہَول رہے تھے

۷۱

یا علی کہہ کر اُٹھالوں میں درِ خیبر کو بھی
یا خدا ایسا عطا ہو زورِ لافانی مجھے

حیدرِ کرّار کے دونوں سپوتوں کا غلام
بن سکوں تو بس یہی ہے تاجِ سلطانی مجھے

فاطمہ کے لال نے تو راہِ حق میں جان دی
یا خدا مجھ کو عطا کر ایسی قربانی مجھے

فاطمہ کے لال کا سایہ ہو گر مجھ پر سدا
پھر ڈرا سکتی نہیں ہے کوئی طغیانی مجھے

کیا وجہ ہے ساری دنیا ہے مرے پیچھے پڑی
ساری دنیا کی نظر آتی ہے شیطانی مجھے

یا خدا عشاق کی بستی سدا آباد رکھ
اہلِ حق کی اب نظر آتی ہے ویرانی مجھے

مال و منصب جاہ و حشمت کی نہیں پرواہ مجھے
یا خدا دیدے بیان و زورِ خاقانی مجھے

ہو بہو کھینچوں میں تصویریں سبھی حالات کی
کر عطا علم و ادب کی اور آسانی مجھے

منقبت میں شاہِ مرداں کی لکھوں میری مجال
اک تعلق اپنے آقا سے ہے روحانی مجھے

آپ کے رتبے کے شاہد ہیں زمین و آسماں
وصف کیسے ہو بیاں یہ ہے پریشانی مجھے

۷۲

جہاں پہ راستۂ خاص و عام ہوتا ہے
وہیں پہ راہزنوں کا قیام ہوتا ہے

جہاں پہ عشق و محبت کا جام ہوتا ہے
وہاں پہ ذکرِ خودی بھی حرام ہوتا ہے

جہاں پر حسنِ بتاں کا قیام ہوتا ہے
وہیں پہ راستۂ خاص و عام ہوتا ہے

ہزاروں ویسے بھی ہر روز بھوکے مرتے ہیں
ہمیشہ ان کا تو ماہِ صیام ہوتا ہے

فرشتے اترے فلک سے زمین پر جب بھی
نظر ملا کے سلام و کلام ہوتا ہے

سکون قلب میسر ہوا ہے جب بھی مجھے
ادا زباں سے مری تیرا نام ہوتا ہے

۷۳

جو سامنے دہلیز پہ زنجیر پڑی ہے
دیوانگی و عشق و جوانی کی کڑی ہے

جو سامنے دیوار پر تصویر لگی ہے
ایامِ غمِ عشق و جوانی سے جڑی ہے

اشعارِ مسلسل ہیں اسی حسن کی پرچھائیں
ہر لفظ اسی حسنِ معانی کی لڑی ہے

تدبیر، جتن لاکھ کیے میں نے بھی لیکن
تقدیر مری ضد میں اسی طرح اڑی ہے

پھیلے گی کسی روز اسی خاک سے خوشبو
بن کر کے شجر خاک میں جو فصل پڑی ہے

سرگوشی میں بھونرے نے کوئی بات کہی ہے
ننھی سی کلی شرم سے دھرتی میں گڑی ہے

مخصوص فقط میرے لیے سنگِ ملامت
خوشبو میں بسی اوروں کو پھولوں کی چھڑی ہے

مدت کے بعد آج بھی امید کی دیوی
دیکھا تو بصد ناز اسی طرح کھڑی ہے

محمودؔ ترے شعر میں جادو کا اثر ہے
لگتا ہے حسینوں سے کہیں آنکھ لڑی ہے

۷۴

جذبۂ عشق سے محروم بشر کوئی نہیں ہے
بن سایۂ دیوار کے گھر کوئی نہیں ہے

عاشق کا دل محبوس ہے اس کنج میں جس میں
دیوار ہی دیوار ہے در کوئی نہیں ہے

کیوں جور و ستم عام ہے اللہ کے بندو
لگتا ہے کہ اللہ کا ڈر کوئی نہیں ہے

پہنچی ہے بڑے شوق سے اس موڑ پہ دنیا
جس موڑ سے آغازِ سفر کوئی نہیں ہے

باندھا ہے کسی نے مجھے الفت میں جکڑ کر
چاہوں بھی تو اب اس سے مفر کوئی نہیں ہے

سمجھے کوئی ان شعروں کے پردے میں چھپا راز
اس دور میں اب اہلِ ہنر کوئی نہیں ہے

دیکھا تھا کسی نے کبھی اک ترچھی نظر سے
اس دن سے مجھے اپنی خبر کوئی نہیں ہے

ہے اصل عبادت فقط انسان کی خدمت
دنیا میں مگر اس کی قدر کوئی نہیں ہے

قاتل نے جب سے دیکھا ہے بسمل کا تڑپنا
آرام اسے آٹھوں پہر کوئی نہیں ہے

جھک جائے جو سر آج بھی مقتل کے نام پر
عالمؔ کے سوا اور بھی سر کوئی نہیں ہے

۷۵

زندگی تو لوٹ آئی موت کے دہانے سے
تم مگر نہیں آئے اک نہ اک بہانے سے

کیا ہوا تھا مجھ کو بھی ذکر ان کا کر بیٹھا
ورنہ مل گیا ہوتا سب ترے خزانے سے

مرغِ دل پریشان تھا گلشنِ بہشتی میں
دل کہاں بہل پاتا صرف آب و دانے سے

اب مجھے نہ تڑپاؤ، لوٹ کر چلے آؤ
لٹ گیا ہے سب میرا ایک تیرے جانے سے

کچھ ہمیں نہ کام آیا جز تری مسیحائی
تیرگی گئی آخر شمع کے جلانے سے

خونِ دل سے لکھتے ہو داستانِ غم عالمؔ
سچ بتا شکایت ہے کیا تجھے زمانے سے

۷۶

سب زخم ستم مجھ سے دکھائے نہیں جاتے
احسان و کرم تیرے گنائے نہیں جاتے

اعجازِ ستم اور بھی اس دور کے دیکھے
قاتل کے نشان ڈر سے بتائے نہیں جاتے

ہوتی ہے محبت تو فقط ایک نظر میں
کوشش سے کبھی دوست بنائے نہیں جاتے

بارش کا سماں دیکھ کے دل روتا ہے اب بھی
بے وجہ اشک مجھ سے بہائے نہیں جاتے

۷۷

ہزاروں غم کا ماتم ساتھ لے کر شامِ تنہائی
مبارکباد دینے شامِ وحشت بھی چلی آئی

نہیں آنا جسے تھا وہ تو بگٹٹ بھاگتا آیا
کہاں تک منتظر رہتی محبت کی شکیبائی

محبت مضمحل ہوکر چلی جب جانبِ صحرا
ز ہر سو یک بیک کانوں میں میرے یہ ندا آئی

(ق)

مجھے مقصود تیرا امتحاں تھا عاشقِ صادق
کہا تقدیر کی دلہن نے پردے سے صدا آئی

اگر سچی لگن ہو سامنے منزل کو آنا ہے
نہیں منظور قدرت کو کبھی الفت کی رسوائی

۷۸

لکھوں حقایقِ ہستی میں اس سلیقے سے
کہ سب نشیب و فراز اس کا جلوہ گر ہووے

لکھوں حکایتِ دنیا تو اس طرح سے لکھوں
کہ جس میں تلخی و شیریں کی چاشنی ہووے

ہر ایک بات منور ہو چاندنی کی طرح
نہ ان میں ظاہر و باطن کی کشمکش ہووے

بیاں کروں میں اگر حادثات تاریخی
کہ جیسے گذرا ہو منظر وہی ادا ہووے

۷۹

زندگی بھر راہ چل لیکن ذرا بچ بچ کے چل
یہ سمجھ لے کوئی میناخانہ بارِ دوش ہے

زندگی کی مشکلوں سے تم نہ گھبراؤ کبھی
یاد رکھو ہر گھڑی مولا ترے ہم دوش ہے

ہے بہت اچھا بڑوں کی نقل کرنی چاہیے
وہ بڑا بالکل نہیں جو محو خورد و نوش ہے

وہ بڑا ہے جو بھلائی کرتا ہے انسان کی
مدح جس کی سب کریں اور آپ وہ خاموش ہے

جادۂ منزل سکڑتا جاتا ہے ہرگام پر
جذبۂ صادق اگر ہمراہ عقل و ہوش ہے

کون دیتا ہے مجھے آواز پچھلی رات میں
کون یہ ہمراز میرا اب تلک روپوش ہے

کیا چھپا رکھا تھا تو نے آج تک مجھ سے رفیق
دیکھ کر سارا جہاں اب ششدر و بے ہوش ہے

میں بھی تیرا ہمدم و ہمراز ہوں اے جانِ من
مدتیں گذریں نہ تیرا ساتھ نی آغوش ہے

اب بڑھاپا آ گیا، اب ہوں بہتّر سال کا
شاعری میں آج بھی بچوں کے جیسا جوش ہے

شاعری کرتے رہو، تم آپ بیتی ہی سہی
ساری دنیا آج بھی سننے کو محوِ گوش ہے

عفو کے طالب ہو تم عالؔم معافی مانگ لو
وہ تو ربِّ دو جہاں ہے اور پردہ پوش ہے

۸۰

اس رس بھری دنیا میں احساسِ بلا کیوں ہے
ہونٹوں پہ تبسم ہے اندر سے خلا کیوں ہے

معلوم ہے جب تم کو انجام محبت کا
خود کردہ گناہوں پر اوروں سے گلہ کیوں ہے

اک عمر کے آنے پر آتی ہے متانت بھی
اک چھوٹی سی غلطی پر اب ہائے اللہ کیوں ہے

۸۱

حالِ دل اپنا بیاں کر آج پنجرانواں میں تو
ذکرِ خیر رفتگاں کر آج پنجرانواں میں تو

کھول کر اس کہنہ بستی کے سبھی اوراق کو
سنگ و در کو نغمہ خواں کر آج پنجرانواں میں تو

کر رقم تاریخ بستی کی یہ تیرا فرض ہے
پھر سے زندہ داستاں کر آج پنجرانواں میں تو

بول اٹھیں ہر گلی کے ذرے ذرے خود بخود
پتے پتے کو زباں کر آج پنجرانواں میں تو

تیرے لفظوں کی صداقت دل میں مثل تیر ہو
اہل دل کو خوں چکاں کر آج پنجرانواں میں تو

مومن انصار ہوں یا ہوں ملکزادہ و شیخ
سب کو مجبورِ فغاں کر آج پنجرانواں میں تو

کیسے کیسے لوگ بستی میں کبھی آباد تھے
ان کی عظمت کو بیاں کر آج پنجرانواں میں تو

بھولی بسری کہنہ .باتوں کو نہ دل میں آج رکھ
یادِ یارِ مہربان کر آج پنجرانواں میں تو

کھول ذہنوں کے دریچوں کو نہ ماضی کو بھلا
دل کو اپنے شادماں کر آج پنجرانواں میں تو

۸۲

پریشاں زندگی میری پریشاں ہوں تو زندہ ہوں
خدا کا شکر ہے میری پریشانی نہیں جاتی

دلِ ویراں سلامت ہو تو پھر پروا نہیں کوئی
بہت خوش ہوں کہ میرے دل کی ویرانی نہیں جاتی

حقیقت زندگی کی دیکھ کر حیران رہتا ہوں
ستم اس پر کہ ہردم میری حیرانی نہیں جاتی

اگر چاہو کسی کو دل سے تو قربان ہو جاؤ
مثالیں لاکھ ہیں بیکار قربانی نہیں جاتی

پرستش اک خدا کی سب مسلمانوں پہ لازم ہے
پرستش ماں کی گر کرلی پھر مسلمانی نہیں جاتی

۸۴

سکونِ دل اگر چاہو مری سنگت میں آجاؤ
یہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں نہ رنجش ہے نہ کوئی غم

یہاں پر عرش کی حوریں یہاں پر فرش کی لذت
یہاں پر صرف تم ہو گے یہاں پر بس رہیں گے ہم

ذرا سوچ بسا اوقات گر ہو وصل کی راحت
تو پھر دنیا کی کیا پروا، الاپیں رات دن سرگم

بھلادیں یادیں ماضی کی اگر رنجش کی ہوں یادیں
اسی میں خیر ہے سب کی، لگائیں زخم پر مرہم

بہت ہیں تلخیاں ماضی کی اب بھی ذہن میں تازہ
سنائیں رازِ دل کس کو یہاں کوئی نہیں محرم

سنو گر گوشِ دل سے تم صدا آئے گی مدّھم سی
خموشی درمیاں ہوگی مگر بولے گی وہ ہر دم

ستم کرنا نہ ہرگز تم، فرشتے کہتے ہیں پیہم
خدا ناراض ہوتا ہے کریں کیوں رب کو ہم برہم

۸۴

سارا عالم دکھ سے بھاگے، دکھ کو گلے لگاؤں میں
دکھ میرا گھر آنگن ہے چھوڑ نہ ان کو جاؤں میں

دکھ سے کہاں کہاں میں بھاگوں، دکھ ہے تو میں جیوت ہوں
اک پل مجھ سے گر یہ بچھڑا، اس پل ہی مرجاؤں میں

دکھ جیون ہے، دکھ سے میری سانس ہے چلتی، سانس ہے تو میں زندہ ہوں
دکھ بھی گر منہ موڑ لے مجھ سے، زندہ ہی مرجاؤں میں

دکھ کے مزے کو کیا جانو تم، گرم آنسو اور ٹھنڈی آہیں
میٹھا میٹھا درد ہے دل میں، کڑوا سچ جھٹلاؤں میں

سچ تو یہ ہے سارے جگ کا درد بھی مجھ کو، اپنے جیسا لگتا ہے
دکھ تو نعمت ہے بھگوں کی پھر کیوں نہ شیش جھکاؤں میں

دکھ سے دکھ کو جان سکا میں دکھ سے دکھ پہچان سکا میں
دکھ کو اک بردان سمجھ کر کیوں نہ گلے لگاؤں میں

۸۵

جو کچھ بھی مجھے آج تک محبوب رہا ہے
وہ آپ ہی کے نام سے منسوب رہا ہے

سجدے ہوں ترے در کے یا ہو میکدے کی دوڑ
ان سب سے کرم آپ کا مطلوب رہا ہے

عالم نے کہا شعر تو فیضان[1] یہ بولے
شاعر کا ہمیشہ یہی اسلوب رہا ہے

۱- پروفیسر فیضان اللہ فاروقی، جے۔ این۔ یو۔

۸۶

جان دے کر ہی سہی میں نے تجھے حاصل کیا
شکر رب کا ہے متاعِ دل کو میں کھویا نہیں

غم کے طوفاں کے تھپیڑے پر تھپیڑے سہہ گیا
پاسِ ناموسِ وفا تھا اس لیے رویا نہیں

شب میں کیا گذری نہیں معلوم کچھ عالَم کو ہے
چہرہ لیکن کہہ رہاہے رات بھر سویا نہیں

۸۷

اک ہاتھ میں جام و سبو اک ہاتھ میں ہو زلفِ یار
اور اس پر رقصِ لبسمل کی تمنا ہے مجھے

سنتے ہیں انسان کا ملنا بہت دشوار ہے
ہے اگر مشکل تو مشکل کی تمنا ہے مجھے

عقل کی اور فہم کی باتیں سبھی بیکار ہیں
عشق کی اور دل کی محفل کی تمنا ہے مجھے

۸۸

بغیر عشق کوئی زندگی نہیں ہوتی
بغیر سجدہ کوئی بندگی نہیں ہوتی

اسی سے مانگ جو دے بے حساب دیتا ہے
نہ دے تو مانگ کے شرمندگی نہیں ہوتی

اگر ہے پیاس محبت کے جام چھلکاؤ
کہ اس سے بڑھ کے کوئی تشنگی نہیں ہوتی

۸۹

ہر اک ادا تری آئینہ لگے ہے مجھے
کہاں کہاں ترا چہرہ چھپا لگے ہے مجھے

میں جب بھی اس کے خیالوں میں کھویا رہتا ہوں
وہ خود بھی بات کرے تو برا لگے ہے مجھے

نظمیں

بہے گا خون جب بھی راہِ حق میں
مٹے گی دہر کی ظلمت یقیں ہے

درسِ زندگی

گرنے لگوں تو بڑھ کے مرا ہاتھ تھام لو
مرے عزیز مجھ سے بڑا انتقام لو

چھوٹا کرو نہ دل کو مصائب کے بوجھ سے
لاتقنطو کا وِرد کرو درسِ عام لو

دیکھو اگر حسین کوئی گل کوئی کلی
در اصل اس حسین کے خالق کا نام لو

دیکھو نگاہیں چار جب ہوجائیں ناگہاں
نظریں جھکاکے با ادب ان کا سلام لو

لیکن نگاہیں گر نہیں ہٹتیں نگاہ سے
نعمت خدا کی جان کے بھرپور جام لو

بزمِ سخن میں برگِ گلِ نرم کی مثال
بزمِ طرب میں بڑھ کر مے لالہ فام لو

محمودؔ بے تکے کی باتیں بھی بے تکی
پیری میں اب تو اپنی زبان کو لگام دو

بحثِ زندگی

زندگی کے فلسفہ کی بحث تھی کل رات پھر
مختلف انداز سے سب نے کہی یہ بات پھر

ایک نے امّ الخبائث زندگی کو کہہ دیا
ایک جھٹکا سا لگا لیکن اسے بھی سہہ گیا

دوسرے نے زندگی کی اس طرح تعریف کی
جیسے اپنی فہم سے اس نے نئی تشریح کی

زندگی تو جز خمیر آب و ِگل کچھ بھی نہیں
اس فنائی جسم میں دل کے سوا کچھ بھی نہیں

پھر کسی نے زندگی کو صحنۂ ہستی کہا
دل نے چپکے سے مگر اس شخص کو خبطی کہا

مولوی بولے کہ آغازِ سفر ہے زندگی
موت ہے انجام جس کا وہ سفر ہے زندگی

زندگی کو آخرت کا کھیت بھی کہتے ہیں سب
اور بوڑھوں کی زباں میں کھیپ بھی کہتے ہیں سب

زندگی اللہ کی سب سے پیاری دین ہے
نور چشم دلبری دلبر کی نورِ عین ہے

زندگی ایک بوجھ ہے مفلس کی ماں نے یوں کہا
زندگی لعنت ہے ایک بیوہ کے ارماں نے کہا

زندگی بخشی خدا نے عیش و مستی کے لیے
دور اک کونے میں بیٹھے رندِ لاغر نے کہا

میں بھی خاموشی سے سب کی گفتگو سنتا رہا
بے تردد ما و فیہا زندگی جیتا گیا

ساقی نامہ

پلا ساقیا ایک جُرعہ پلا
کہ پرتو ہو جس میں تری ذات کا

بہت منتشر ہے یہ قومِ سجود
بٹے جیسے فرقوں میں اہلِ ہنود

دکھا راستہ اپنی حکمت سے تو
تو چاہے تو پتھر بنے آبِ جو

تو مونس مرا اور ہمراز ہے
تو ہی چنگ ہے اور تو ہی ساز ہے

لہو سے زمیں ساری تر ہوگئی
سیاہی اجالوں پہ ہے چھاگئی

یہ شیرازہ بندی تیرے ہاتھ ہے
ہے ممکن سبھی تو اگر ساتھ ہے

پلا مجھ کو پھر سے وہی جام تو
دکھا آئینہ اور انجام تو

ترے رند ہیں لو لگائے ہوئے
ترے در پہ سر کو جھکائے ہوئے

تمنا لیے گردشِ جام کی
نظر منتظر بخششِ عام کی

بجھا تشنگی تیرا اعجاز ہے
میں تنہا نہیں سب کی آواز ہے

میں خودسر بنا زندگی بھر رہا
زر و مال کی جستجو میں رہا

مجھے ہوش میں لا پلا ساقیا
اسی میں ہے سب کا بھلا ساقیا

جنوں بھی عطا کر سلیقہ بھی دے
بڑھوں سوئے منزل طریقہ بھی دے

تو اہلِ جنوں کا سلیقہ نہ دیکھ
مرے مانگنے کا طریقہ نہ دیکھ

تو چاہے تو پل میں ہو کایا پلٹ
مظالم کی سازش کو کردے الٹ

تو چاہے تو بنجر بھی گلزار ہو
ببولوں کا جنگل بھی بے خار ہو

ہے آندھی کی زد میں دیا ساقیا
کہیں بجھ نہ جائے بچا ساقیا

تھا مقصود تیرا سبق ساقیا
ملا درسِ عبرت بہت ساقیا

نہ دے اس سے بڑھ کر تو اندوہ و غم
ہمیں ڈر یہ ہے، ٹوٹ جائیں گے ہم

اگر اپنی خلقت ہے تجھ کو عزیز
بچالے ہمیں تو ازیں جست و خیز

ترا دل کشادہ رحیم و کریم
چلادے تو پھر سے وہ بادِ نسیم

کہ پھر خشک ٹہنی میں آجائے جان
دوبارہ ہو آباد تیرا مکان

ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چلے چار سو
دوبارہ ہو آباد جام و سبو

پلادے تو پھر سے مئے لا الٰہ
ملے ہم کو پھر سے وہی عز و جاہ

جب کبھی بھی فرصت ہو

جب کبھی بھی فرصت ہو
میکدے میں آجاؤ
ہم یہاں فرشتوں کو
آدمی بناتے ہیں
موسمِ بہاراں ہو
یا فصلِ ابر و باراں ہو
دھوپ چلچلاتی ہو
یا ہوا ہو برفیلی
ساتھ ہم سفر لے کر
شوخ ہو یا شرمیلی
جب کبھی بھی فرصت ہو
میکدے میں آجاؤ
ہم یہاں فرشتوں کو
آدمی بناتے ہیں
بھول کر بھی وہ بستی
جس جگہ سیاست ہو
بھول کر بھی وہ نگری
جس جگہ جہالت ہو

لاکھ تم کو دیں دعوت
بھول کر بھی مت جانا
ہاں اگر ملے فرصت
میکدے میں آ جانا
ہم یہاں فرشتوں کو
آدمی بناتے ہیں
سیکھ عقل کی باتیں
چھوڑ سب خرافاتیں
جھوٹ اور نفرت سے
کب تلک گذر ہوگی
بات سب سے کر سیدھی
پیار اور محبت کی
جب خوشی ملے اس سے
جشن ہی منانے کو
میکدے میں آ جانا
ہم یہاں فرشتوں کو
آدمی بناتے ہیں
ذہن گر پریشاں ہو
نیند گر نہیں آتی
حسن اور جوانی بھی
گر تجھے نہیں بھاتی

گر نشہ کی عادت ہے
اور وہ نہیں جاتی
سن تو غور سے بھائی
کیوں بنا ہے بلوائی
گر تجھے شکایت ہے
بیوفا زمانے سے
غم غلط ہی کرنے کو
میکدے میں آجاؤ
ہم یہاں فرشتوں کو
آدمی بناتے ہیں

ایک جدید فارسی نظم سے متاثر ہوکر

اک حسیں چلبلی چنچل کا پرستار ہوں میں
یعنی مدت سے محبت میں گرفتار ہوں میں

اس بات کو وہ شوخ ادا جانتی نہیں
حد ہے کہ مجھے آج تک پہچانتی نہیں

سوچا کہ کہوں آج، اسے اپنے دل کی بات
''جب بھی خیال آیا ترا، جاگا ساری رات''

ایک دن پیام لکھ ہی دیا، روئے برگِ گل
اس نے بنایا اس کو مگر زینتِ کاکل

کہا مہتاب سے میں نے، کہو میرا سلام ان کو
تمہیں میری قسم، پہنچا کسی صورت پیام ان کو

مگر قسمت کا کیا کہنا، کہ یک ابرِ سیہ آیا
ابھی تو چاندنی تھی یاں، ابھی کہرا سا ہے چھایا

صبا سے گڑگڑایا پھر، کرو تم دور یہ مشکل
صبا لے چل دل مضطر کو اب بھی جانبِ منزل

سنی جو داستان غم، ہوئی بے چین کچھ ایسی
کہ جیسے اس پہ بھی گذری ہے کوئی داستاں ایسی

چلی، تیزی سے، وہ مہہ ناز کی جانب
بنانے عاشق و معشوق کو اِک جان دو قالب

مگر افسوس، صد افسوس، مری قسمت نہ کام آئی
اسی کالی گھٹا سے اک گرج بجلی کی بھی آئی

گری بجلی، جلاڈالا میرے غمخوار قاصد کو
ابھی تو دو قدم تھے، اب لگیں گے سال منزل کو

اور اب میں ہوں، اور تنہائی
محبت کی یہ رسوائی
سہاجاتا نہیں مجھ سے
لیکن
کہاجاتا نہیں مجھ سے

سچائی

سنتے ہیں کہ تاروں کی جھرمٹ میں وہ تارا ہے
سارے جہاں کی زلفوں کو جس نے سنوارا ہے

سرگوشیوں میں پوچھا کیا نام ہے اس کا جی؟
شوخی سے لگے کہنے، تجھ کو بھی وہ پیارا ہے

خاموش ہوا میں بھی سن کر کے جواب ان کا
کچھ بعد ہی دیکھا تو افکار کا دھارا ہے

ہر لمحہ ذہن میں خود اک نام ابھرتا تھا
پہلے تو خیال آیا بے کس کا سہارا ہے

پھر غور کیا میں نے، یہ کیوں ہو عزیز سب کو
کیا فکر اسے عالمؔ خود جس کا کنارا ہے؟

پھر غور کیا میں نے تو ماں کا خیال آیا
اس سے تو نہیں بڑھ کر کوئی بھی دلارا ہے

بولے کہ میاں سچ ہے، تم ٹھیک ہی کہتے ہو
اس سے بھی مگر بڑھ کر اک چیز پیاری ہے
واللہ تمہیں لیکن وہ سب سے نیاری ہے

ہستی ہے تری وہ جو ہر چیز پہ بھاری ہے
گرچہ یہ حقیقت ہے ماں ہی نے سنواری ہے

ندامت کے آنسو

یہ صبحِ نشاط افزا یہ عالمِ تنہائی
اللہ محافظ ہے کس شوخ کی یاد آئی

کل رات سبو دیکھا خالی تھا پڑا بالکل
میکش بھی نہیں کوئی، نا حسن کے شیدائی

بے چین تھا وہ لیکن، تھا کرب میں وہ اتنا
نزدیک جب پہنچا تو اندر سے صدا آئی

میں بھی کبھی زندہ تھا خوشرو تھا کبھی لیکن
بس فرق ہے اتنا سا کہ موت چلی آئی

جب چرخِ خداوندی چلتا ہے تو پھر اس دم
پستے ہیں سبھی اس میں جن کی بھی قضا بھی آئی

سن کر کے بیان اس کا چپ سادھ گیا میں تو
اور اپنے گناہوں پر اندر سے حیا آئی

عقبیٰ کا خیال آتے ہی میں بھی لگا رونے
خالق کو مرے شاید یہ بات پسند آئی

بولا کہ ندامت کے آنسو ہیں بہت کافی
خوش باش برو لیکن پرہیز ز آرائی ہے

جب بھی کبھی بھولو تم اب خالق و مالک کو
تاریخ بخوان عالَم ز اسکندر و دارائی

سیاست فروش

دیکھا قریب سے ہے سیاست فروش کو
دیتا رہا ہے دھوکہ مری عقل و ہوش کو

وعدے ہزار بار کیے سبز باغ کے
پھسلا کے دل کو میرے، کبھی مل کے گوش کو

سارے چمن میں ایک ہمیں خیرخواہ ہیں
مدت سے سن رہا ہوں ندائے سروش کو

بھڑکی ہوئی ہے آگ مرے دل سے پوچھئے
بہلا رہی ہے عقل ابھی میرے جوش کو

لائے گی رنگ ایک دن میری بھی خامشی
چھیڑیں نہ آپ شعلۂ سرد و خموش کو

سب بھیڑئے ہیں راہزنِ ملک و قوم ہیں
پہچانیں ٹھیک سے تو ذرا گربہ پوش کو

مبارکباد آزادی

بہت خوش ہوں مرے آبا کی قربانی بھی کام آئی
مبارکباد آزادی مبارکباد آزادی

ہے موقع آج آزادی کا سارے دیش میں یارو
چمن میں ہر طرف خوشبو ہے بکھری پیار کی یارو

ہمارا دیش سب دیشوں میں اعلیٰ اور عرفہ ہے
جہاں میں چار سو اپنی بڑائی کا ہی چرچہ ہے

بڑھاپے کی تنہائی

یہ کون ہے جو آئی شمشیرِ بکف آئی
یہ کون ہے جو میرے ذہنوں پہ رہی چھائی

یہ کون ہے کہ جس نے میرا بھی کیا سودا
دنیا یہ سمجھتی تھی سب تھے مرے شیدائی

پھر کون ہے یہ آخر میں نے نہ کبھی دیکھا
اب طاق پر رکھ دیں گے سب صبر و شکیبائی

ہنستے ہوئے بولی وہ ڈرتے ہیں سبھی مجھ سے
میں ہوں تری پیری کی ڈستی ہوئی تنہائی

اقبال نامہ

مرے گھر میں بہت رنج و مِحن ہے
مگر اپنا وطن اپنا وطن ہے

وہ رہزن، دشمنِ ایمان و انساں
یہاں آیا مگر زیرِ کفن ہے

میں اس کو جان و دل سے چاہتا ہوں
زمانے کو مگر مجھ سے جلن ہے

اسی کو چھیدو جس تھالی میں کھاؤ
بہت اوچھا تمہارا یہ چلن ہے

بڑائی اس میں ہے کہ معاف کردو
بڑپن اس میں ہے اور بانکپن ہے

ہماری بات ہے سب سے نرالی
اسی تہذیب میں گنگ و جمن ہے

یہاں پوشیدہ دنیا کا خزانہ
اسی کے واسطے سب کو جلن ہے

یہاں کی شخصیت سب سے نرالی
یہاں ہر شخص میں اک بانکپن ہے

جسے کہتے ہیں سب محمود عالم
وہ اپنے آپ میں اک انجمن ہے

فیصلہ

ہم کسی حال نہ چھوڑیں گے وطن کی گلیاں
سینکڑوں سال کی تہذیب کا یہ مدفن ہے

حیا آئے گی گر پوچھیں گے اسبابِ سفر
کس طرح ان کو بتائیں گے کہ کیا گذری ہے

کس قدر بھائی بنا بھائی کی جاں کا دشمن
لاش پر لاش تھی بکھری ہوئی بے گور و کفن

اس سے پہلے کہ کوئی فیصلہ لینے پاؤں
یہی بہتر ہے، لگے ذہن و زباں پر قدغن

میں کسی حال میں جانے کو بھی تیار نہیں
یہ سبھی اپنے ہیں ان میں کوئی اغیار نہیں

عبادت

ایک مسجد تھی وہاں پر ایک بت خانہ بھی تھا
دُور ہٹ کر اس گلی میں اک مئے خانہ بھی تھا

مسجد و مندر میں کافی بھیڑ تھی، تیومار تھا
ایک چینٹی کا سرکنا بھی بہت دشوار تھا

میں بھی جانا چاہتا تھا بھیڑ تھی اتنی وہاں
جاں پہ بن آئے نہ اپنی الحفیظ و الاماں

سر میں سودا تھا عبادت کا، قدم بے ساختہ
بن کہے وہ آپ ہی آگے بڑھا، بڑھتا گیا

دس قدم بھی چل نہ پایا تھا، ہوا یہ واقعہ
ایک بچہ سامنے سے آگیا روتا ہوا

کس قدر گندے تھے کپڑے، گندگی چہرہ پہ تھی
بال تھے بکھرے ہوئے آنکھوں میں پچی تھی بھری

بلبلا کر رو پڑا، کہنے لگا بھوکا ہوں میں
جن سے کہتا ہوں سبھی کہتے ہیں کہ جھوٹا ہوں میں

اس کی باتوں کا اثر کچھ اس طرح مجھ پر ہوا
دل ہی دل میں، میں بھی اس کی بات پر رونے لگا

جو بھی میری جیب میں تھا سب اٹھا کر دے دیا
جب ہنسا پیارا وہ بچہ میں خوشی سے رو دیا

جا نہیں پایا میں مسجد، پر عبادت ہوگئی
شکر ہے اللہ کا میری ریاضت ہوگئی

غلط فہمی

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
ہزاروں پتھروں کے بیچ میں شیشہ بھی ہوتا ہے

تڑپ تھی مدتوں سے کرشن کے دیدار کی دل میں
چلا پیدل پجاری پیار کا مالا لیے دل میں

خیالوں کے جہاں میں راستے بھر وہ رہا کھویا
پیادہ تھا مگر ایسے کہ جیسے خواب میں سویا

اسے تو فکر تھی بس اس گھڑی محبوب کے گھر کی
قدم بوسی اسے مقصود تھا معشوق کے در کی

قدم رکھا سنبھل کر آستانِ مہر و الفت میں
لگا ایسا پہنچ جاتا ہے جیسے کوئی جنت میں

ہمیشہ کی طرح جب کیک کا پَرشاد بھی کھایا
سلگتی ریت میں جیسے گھنے پیڑوں کا ہو چھایا

زمانے بھر کے غم کو اور نفرت کو بھلا بیٹھا
کدورت سب دلوں کی آن واحد میں دھلا بیٹھا

مگر منظور تھا کچھ اور بھی اس روز قدرت کو
نہ دیکھا آج تک میں نے کبھی ایسی مصیبت کو

غلط مجھ کو نہ سمجھیں داستانِ عشق کے شیدا
یہاں پر ہو بہو کہتا ہوں جو کچھ بھی وہاں گذرا

وہاں پر کرشن کے بھکتوں میں آئیں مادر و دختر
شناساؤں میں ان کی ہیں وہاں آتی ہیں وہ اکثر

شرافت کے نمونے حسن کی دیوی انھیں کہیے
پڑھی لِکّھی زباں سے پر تکلف بھی انھیں کہیے

مگر یہ داستاں منسوب ہے صرف ان کی بیٹی سے
اگر پہونچی مجھے تکلیف تو صرف اپنی جیوتی سے

وہاں جو درمیاں میں بات آئی کچھ تعصّب کی
بگولا تھی ذرا سی دیر میں وہ حسن کی دیوی

تڑپ اٹھی وہ لڑکی جیسے دکھتی رگ پکڑلی ہو
پریشاں جس طرح مچھلی بِنا پانی تڑپتی ہو

بلند آواز میں بولی سراسر آپ کی غلطی
نہیں ایسی مثالیں ہند کی تاریخ میں ملتی

شکایت مسلموں کی بے سر و بنیاد ہیں سب ہی
نہیں تعلیم ہے ان میں کہاں سے نوکری ملتی

کہا جب نوکری کی بات تو سکتے میں آنا تھا
کہا دل نے کہ جیوتی کا یہ تاریخی بہانہ تھا

تمنای دل ہی دل میں ان خیالوں کو لیے ہوگی
عبارت اس طرح کی روزناموں میں پڑھی ہوگی

اسے معلوم کیا تعلیم اُن لوگوں میں کتنی ہے
کہو اس سے کہ ان میں کم نہیں اوروں میں جتنی ہے

اگر سب نوجواں اس دیش کے مانند جیوتی ہیں
تعجب کچھ نہیں مائیں اگر بیٹی پہ روتی ہیں

حقیقت تلخ ہے اس کو کروں میں اب بیاں کیسے
ابھی خاموش ہوں بتیس دانتوں میں زباں جیسے

رہا چپ چاپ کیوں کہ پیار کے مندر میں بیٹھا تھا
رہا چپ باوجود اس کے کہ میں جنموں کا اینٹھا تھا

حقیقت میں وہاں بھی کام آئی کرشن کی لیلا
سنبھالا کچھ تو دادا نے سنبھالا کچھ بہن کملا

شمو

زندگی جس نے مجھ کو اپنی دی
وہ بری ہے بھلی ہے اپنی ہے

جو مرے سانس کو بھی پہچانے
حسن کی وہ کلی ہے اپنی ہے

وہ مرے ساتھ ساتھ چلتی ہے
شہر ہو، کوچہ ہو گلی ہو اپنی ہے

اس قدر وہ ہے شیریں زبان
جیسے مصری کی اک ڈلی جو اپنی ہے

میں خطاکار ہوں مگر عالمؔ
وہ جو ہے صورت پری وہ اپنی ہے

شمو

بات کر کے سکوں جس سے ملے
جو مرے قلب و دل کو پہچانے
جس سے ملنے کی ہو تڑپ ہر دم
اس خوشی کا ہی نام شمو ہے

جو ملی ایک رقص کی مانند
جس نے بربط کا تار چھیڑا ہے
جو مرے زخمِ دل کا مرہم ہے
اس دوا کا ہی نام شمو ہے

وہ گھڑی کون سی گھڑی تھی جب
مہ لقا بن کے ذہن پر چھائی
جس کی باتیں ہیں دلپذیر اتنی
اس ادا کا ہی نام شمو ہے

کتنی بھولی ہے آج بھی لڑکی
کتنا معصوم چہرہ ہے اس کا

جس کی آنکھیں ہیں جھیل کی مانند
اس کمل کا ہی نام شمو ہے

وہ شہابی نظر وہ لمسِ شرر
وہ مجسم مثالِ ہمدردی
دیکھ کر میرے دکھ کو جو تڑپی
اس تڑپ کا ہی نام شمو ہے

بزمِ یاراں میں شمع کی مانند
جس کو دیکھا وہیں ہوا بسمل
وہ شرر جو بدن کو جھلسا دے
اس شرر کا ہی نام شمو ہے

عمر بھر جس کو میں تلاش کیا
سر سے پا تک نمونہ ہے اس کی
اک خلش رہ گئی تھی جو دل میں
اس خلش کا ہی نام شمو ہے

ایک لڑکی

دکھاؤں کس طرح دردِ نہانی
سناؤں ایک لڑکی کی کہانی

وہ لڑکی گاؤں کی ہے بھولی بھالی
وہ لڑکی خارزاروں میں کلی سی

بہت چنچل بہت ہشیار تھی وہ
کہ جیسے خواب میں بیدار تھی وہ

گھریلو کام میں ماہر تھی اتنی
مصیبت میں رہی صابر تھی جتنی

محلے، ٹولے والے داد دیتے
بہی خواہی میں دل کو شاد کرتے

وہ اپنے باپ کی لختِ جگر تھی
وہ اپنی ماں کی بھی نورِ نظر تھی

کلاسوں میں بھی وہ آتی تھی اوّل
ہمیشہ نِت نئی باتوں پہ مائل

سوالوں کو وہ حل کرتی تھی ایسے
معلّم خود بنی بیٹھی ہو جیسے

سبھی لوگوں کی پیاری تھی وہ بچی
نہیں ملتیں مثالیں ایسی سچی

کمی تھی گر کوئی اس میں تو یہ تھی
کہ شکل اس کی بہت جاذب نہیں تھی

حسیں طینت، حسیں کردار ہوکر
جُٹا پائی نہ کوئی اپنا ہم سر

سبھی تھے حسنِ ظاہر پر ہی مائل
سبھی تھے اچھی صورت کے ہی سائل

وہ لڑکی آج بھی اتنی ہی صابر
قلم میرا بیاں کرنے سے قاصر

سیاہی روشنی پر چھاگئی ہے
طبیعت اور بھی گھبراگئی ہے

دو چہرے

میں اپنے آپ کو شاطر سمجھ رہا تھا مگر
امیرِ شہر مجھے بھی فریب دیتا ہے

دکھا کے باغ ہرا دوسروں کی کھیتی کا
ہے، تیرے واسطے! کہہ کر فریب دیتا ہے

بچھائے رہتا ہے کانٹے ہماری راہوں میں
ہٹا کے ایک دو پتھر فریب دیتا ہے

وہ آشیاں ہی نہیں دل کو بھی جلاتا ہے
قصور اوروں کا کہہ کر فریب دیتا ہے

فریب کھاتے رہے مدتوں تلک عالَم
مگر یہ سچ ہے کہ اب بھی فریب دیتا ہے

معصومیت

(۱)

آج کی رات مجھے کوئی نہیں چھیڑے گا
آج کی رات بہت خاص میری زیست میں ہے

جیسے پیوست ہو رگ رگ میں مرے آج کوئی
جیسے پی لی ہو ان آنکھوں سے مئے ناب کوئی

جیسے محفل میں کوئی دور چلے روحانی
جیسے انگ انگ سے ظاہر ہو کیفِ وجدانی

جیسے سوکھے ہوئے موسم میں بہار آجائے
جیسے فرسودہ سے چہرہ پہ نکھار آجائے

جیسے تپتے ہوئے ریتوں پہ ہو بارش کی پھوار
جیسے خوشیوں میں میرے ساتھ ہوئے لیل و نہار

جیسے محفل میں کوئی رقص کرے رقاصہ
ابر کو دیکھ کے خوش ہوتا ہے جیسے منجدار

ہے مرا حال وہی سچ جو کہوں آج کی رات
پوتے[1] کے چہرہ پہ دیکھی ہے خوشی آج کی رات

۱- کیان سلمہٗ تعالیٰ۔

(۲)

سات دن بعد یہ لوٹا ہے آج اپنے گھر
سات دن بعد یہ لیٹا ہے اپنے بستر پر

سات دن اجنبی بن کر ہے رہا نانیہال
تھی خوشی سب کو کہ آیا ہے اپنی نانیہال

ساتھ گھر والے بھی ناتی پہ اپنے نازاں تھے
اپنے ننھے سے فرشتہ کو دیکھ شاداں تھے

تھی خوشی ان کو کہ بِنکی کا جگر پارہ ہے
تھی خوشی ان کو چمکتا ہوا اک تارا ہے

تھی خوشی ان کو نواسا ہے عبدرزّاقی
نوؔر تھی خوش، یہی رکھے گا نام اب باقی

(۴)

سب کے سب خوش تھے مگر خوش نہ تھا منظورِ نظر
کاش خوش ہوتا وہاں پر بھی میرا لختِ جگر

آج لوٹا ہے تو خوشیوں میں نکھار آیا ہے
اس کے چہرہ کی بھی تلخی میں سدھار آیا ہے

آج کی رات بہت خوش ہے کہ گھر لوٹا ہے
ہے بڑوں کی سی سمجھ گرچہ بہت چھوٹا ہے

اس کی اس سوچ پہ میں خود بھی بہت شاداں ہوں
سچ تو یہ ہے کہ بڑھاپے میں بھی میں ناداں ہوں

اپنی تصویر

برائی کو برا سمجھے جو انساں آج بھی اب بھی
بھلائی راستی، عدل و عدالت جس کا شیوہ ہو

زمانہ جس کو بدھو، عقل کا مارا کہے لیکن
مجھے اس آدمی سے پیار ہے دل میں جگہ اس کی

جو انساں آج بھی رشوت کو سمجھے مرضِ انسانی
جو انساں جھوٹ کو سمجھے سدا انساں کی نادانی

جو انساں ظلم تو صبح و مسا لوگوں کے سہتا ہو
مگر جو بے دھڑک حکام کو کڑوی سناتا ہو

مجھے اس آدمی سے پیار پہلے بھی تھا ہے اب بھی
زمانہ گر برا سمجھے تو سمجھے آج بھی اب بھی

جو سچ پوچھو تو وہ انسانیت کی جان ہے پیارے
وہ چھوٹا ہی سہی لیکن میرا ارمان ہے پیارے

گوالوں کو برا کہتا ہے کیوں پانی ملاتے ہو
عوض میں گالیاں کھاتا ہے کیا بکواس کرتے ہو

کبھی اسٹیشنوں پر وہ قلی سے بھی جھگڑتا ہے
کبھی وہ ٹیکسی والے کی ہٹ دھرمی پہ لڑتا ہے

کبھی راشن کے لالہ سے لڑا کرتا ہے وہ بدھو
نہیں تفریق جو کرتا مسلماں ہو کہ ہو ہندو

برا کہتے ہیں جس کو باپ بھی بھائی، بہن سب ہی
نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے اچھا آج بھی اب بھی

جو جھانکا میں نے تنہائی میں ذہنوں کے دریچے سے
لیا جب جائزہ ہر بات کا میں نے سلیقے سے

ہوا معلوم اپنا عکس میں نے اس میں دیکھا ہے
بہت نزدیک سے حالات کو خود میں نے پرکھا ہے

محبت کی وجہ بس ایک ہی معلوم ہوتی ہے
کہ ہر چہرے میں اپنے دل کی ہی تصویر ہوتی ہے

عشق

پھر وہی یاس، وہی گوشۂ تنہائی ہے
ہر زمانے میں محبت نے سزا پائی ہے

عشق کرنے میں سدا عشق کی رسوائی ہے
اک زمانے سے یہی ریت چلی آئی ہے

عشق وہ شی کہ جسے سوزِ دروں کہہ لیجیے
عشق وہ شی کہ جسے جذب و جنوں کہہ لیجیے

عشق وہ راز جسے رازِ نہانی کہیے
عشق وہ بات جسے جوشِ جوانی کہیے

عشق کو آدمی کی روحِ رواں کہہ لیجیے
عشق کو رازِ فسوں کون و مکاں کہہ لیجیے

عشق وہ شے کہ جسے حسنِ معانی کہیے
عشق وہ شے کہ جسے زیست کا پانی کہیے

عشق کو حسن کا جادو بھی کہا کرتے ہیں
عقل و ادراک کا دشمن بھی کہا کرتے ہیں

ہر دور میں اک رنگ نیا، جام پرانا
عنوان بدل کر وہی دیرینہ فسانہ

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

گئے تھے آگ لانے مل گئی پیغمبری دیکھو
یدِ بیضا کے پردے میں خدا کی دلبری دیکھو
خدا کی دین اس دنیا میں گر تم دیکھنا چاہو
حمایت کی نظر سے بزمِ تبت میں چلے آؤ

شبانوں میں کوئی دلبر، کوئی موسیٰؑ بھی ہوتا ہے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

ہوا بالکل یہی کل رات میرے ساتھ بھی یارو
وہاں آئے وہ سالارِ سخن جنرال اسپارو
سخن میں دلنوازی، بانکپن، جادو بیاں پایا
جھلک ماضی کے سالاروں کی میں نے خود یہاں پایا

غریبوں بے نواؤں کا کوئی عیسیٰؑ بھی ہوتا ہے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

وہ صاحب دل بظاہر سخت جو معلوم ہوتا ہے
حقیقت میں مجھے وہ نیک دل معلوم ہوتا ہے

بظاہر فوج کا افسر نظر آتا ہے وہ دلبر
بباطن عاشقِ شعر و سخن دلدادۂ شاعر

بہت سے پتھروں کے بیچ میں شیشہ بھی ہوتا ہے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

اسے ہے عشق ایراں سے سنایا شعرِ عرفانی
سیاست میں بھی جو بھولے نہیں اشعارِ خاقانی
سنائے پیار سے جو فلسفۂ چین و یونانی
کہاں ملتے ہیں ایسے لوگ در این عالمِ فانی

نہ ہو لالچ جنہیں بالکل زر و پیسا کا ہوتا ہے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

کنارے لے گیا تنہا مجھے اشعار سنوانے
غزل حافظؔ کی یوں چھیڑی کہ میری رگ کو پہچانے
ہوا محظوظ کچھ ایسا میں اس شیریں زبانی سے
کہ جیسے عشق ہوجائے مجھے جادو بیانی سے

سدا یکساں نہیں ہوتا کبھی ویسا بھی ہوتا ہے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

تمنا دل میں میرے ایک ہی اب رہ گئی عالؔم
اثر پہلی نظر کا تا ابد دل پر رہے قائم

کرو شکرِ خداوندی، کرو تم شکرِ سبحانی
خدا اس کو بھی پہنادے کبھی وہ تاجِ سلطانی

کہ جس کی بات کا گہرا اثر مجھ پر بھی ہوتا ہے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

دلبرِ باوفا

کبھی محفلِ رقص و سرود میں
کبھی اپنے ذوقِ نمود میں
کبھی شکلِ اہلِ ہنود میں
کبھی بزمِ اہلِ سجود میں
کبھی آدمی کے وجود میں
دبے پاؤں کوئی بھی یک بیک
کسی دل پہ سکّہ بٹھا گیا
درِ دل پر قبضہ جما گیا

کبھی عشق میں کبھی پریت میں
کبھی اپنے گاؤں کے گیت میں
کبھی سبز پتوں کی چھاؤں میں
کبھی رنگ و بو کے خلاؤں میں
کبھی مفلسوں کی صداؤں میں
نہیں تم ملے تو نڈھال تھا
سفر زندگی کا محال تھا

کہ فضل ربِّ کریم سے
مرے دل میں کوئی سما گیا

نہ تو زندگی میں تھی چاشنی
نہ تھی چشمِ نم میں ہی روشنی
نہ تو اس میں کوئی بھی نور تھا
نہ تو دل میں کوئی سرور تھا
نہ تو خود پہ کوئی غرور تھا
نہ تو شاعری کا شعور تھا

مرے دل میں کوئی خلش نہ تھی
مری زندگی میں کوئی تپش نہ تھی
شبِ زیست میری بھی تار تھی
نہ تو اس میں کوئی بہار تھی
تھی عجیب حالت جاں کنی
کہیں جس کا ذکر و بیاں نہیں
شب وصل میں جو بجھا ہو دل
تو نہ عیش ہو نہ سرور ہو
میری زندگی بھی اسی طرح
کٹی جارہی تھی کسی طرح

کہ ناگہاں کہیں دور سے
مجھے روشنی سی دکھائی دی

وہی بانکپن وہی روشنی
مجھے جس کی اب بھی تلاش تھی
وہ بشکلِ کرشنا سوبتی[1]
مرے رب نے مجھ کو عطا کیا

۱- ہندی زبان کی عظیم لکھیکا (مصنف)۔

پشپا

یاد رکھنا اس کلی کا فطرتِ آدم میں ہے
جس کی خوشبو آج بھی تازہ کسی کے دم میں ہے

یادِ پشپا اس قدر مجھ کو ستاتی ہے کبھی
جیسے سانسوں میں بسی وہ پہلوئے عالم میں ہے

جیسے برکھا کی بہاریں اور میں تنہا رہا
جیسے جنت کی فضائیں اور میں تنہا رہا

سب طرف جنت کی حوریں اور میں تنہا رہا
سب کی سب مجھ کو پکاریں اور میں سنتا رہا

اس طرح میں شاد رکھتا ہوں دلِ ناشاد کو
کیسے بہلاؤں میں عالم آشیاں برباد کو

عالمِ تنہائی

پھول تو اب بھی کھلتے ہیں
خوشبوؤں کی بات گئی

ایسی بپتا کبھی نہ دیکھی
بن برسے برسات گئی

من کی بپتا سمجھ نہ پائے
برہا گاتے رات گئی

چھوڑو قصّے دہر کے عالَم
رات گئی تو بات گئی

ایک مشورہ

ذرا آہستہ لے چل
کاروانِ زندگی کو
بہت رفتار میں جاتے ہیں
منزل کی طرف کچھ لوگ
وہ اکثر بیچ رستے میں ہی
جاکر ٹوٹ جاتے ہیں
کئی ایسے ہیں تیزی سے
پہنچ جاتے ہیں منزل پر
شروع میں ہی بہت ساتھی
وہیں پر چھوٹ جاتے ہیں
خردمندی کہاں کی ہے
ادھوری منزلیں پانا
دوبارہ پھر سفر کرنا
بہت دشوار ہوتا ہے
جو سب کو ساتھ لیتا ہے
وہی ہشیار ہوتا ہے

علی گڑھ-یونیورسٹی میں تنہائی کا احساس

آج میں اکیلا ہوں
شام سے اکیلا ہوں

آج بھی دبے پاؤں
دردِ دل ابھر آیا
جب بھی تنہا رہتا ہوں
یہ مجھے ستاتا ہے
بعض وقت یہ مجھ سے
بے تکا سا پوچھے ہے
شہر ہے حسینوں کا
اور تم تنہا ہو؟

مہوشوں کے گلشن میں
یہ اداس تنہائی
جیسے شب کے کاجل میں
چشمِ نم کی تنہائی

جیسے ریگزاروں میں
تشنگی ابھر آئی
جیسے شہرِ خاموشی
کا دیا سلگتا ہو

خود سوال کرتا ہے
خود جواب دیتا ہے
ہاں میاں! مسافر کا
کون ساتھ دیتا ہے

تم بھی تو مسافر ہو
شہرِ دل میں تنہا ہو

ایک سوال

یہ اکچھر دھام ہے گاندھی نگر میں پیار کا مندر
یہاں ممتا کی دیوی رات دن لوری سناتی ہے

محبت، بھائی چارہ، پیار کا مرکز رہا ہے یہ
ہزاروں سینکڑوں لوگوں کی یہ امید کا مشعل
جہاں سے روشنی کی پوپھٹیں تاریک گھڑیوں میں

ضیا جس کی بکھیرے شبنمی ماحول اندر کا
محبت کا یہ گہوارہ نشانہ اور نفرت کا؟

جہاں انسانیت کا درس مدت سے پڑھاجاتا
جہاں بکھرے دلوں کو ایک دھاگے میں گندھاجاتا

وہاں ہنسا کا ننگا ناچ ہو معصوم بچوں پر
بہادر تم بڑے بنتے ہو عورت کی چتاؤں پر

یہ مانا تم پہ بھی جور وستم ظالم نے ڈھائے ہیں
یہ مانا زخم تم نے بھی بہت برچھی کے کھائے ہیں

یہ مانا سینکڑوں لاشوں کو بھی کندھادیا تم نے
یہ مانا بے بسی میں آشیاں جلنے دیا تم نے

یہ مانا نوجواں دلدار تم نے بھی بہت کھوئے
یہ مانا گرم بستر پر برادر رہ گئے سوئے

مگر سوچو تو یہ دیوانگی دونوں طرف سے تھی
ذرا سوچو تو یہ حیوانگی دونوں طرف سے تھی

کرے جو بھی غلط غلطی تو دیکھو سب کی غلطی ہے
لگی جب آگ بستی میں تو پیارے سب کی بستی ہے

نہ سمجھیں گے جو اتنی بات تو وہ خود ہی بھگتیں گے
ہمیں ڈر ہے کہ اس آتش فشاں میں سب ہی جھلسیں گے

دلیلیں اور بھی ہیں ذہن میں لیکن انھیں چھوڑو
طرفداری میں اک دوجے کے اپنی ٹانگ نہ توڑو

سوال یہ ہے کہ بے وجہ لوٹ مار ہوئی
سوال یہ ہے کہ انسانیت کی ہار ہوئی

شباہت

محتسب ہیں آپ نہ قاضی، نہ فقیہہ
شعر ایسے لکھ دیئے کیوں فی البدیہہ

ایک تھے قاضی سنا کرتا تھا جن کی داستاں
ہوگئی مڈبھیڑ کل میری بھی ان سے ناگہاں

شام میں میں جب گیا ملنے نصیری خان سے
ایک شخص بیٹھا ہوا صوفے پر دیکھا شان سے

مضمحل چہرا تھا کپڑے بھی نہایت ہی کثیف
اور ہر اعضاء سے ظاہر ہورہے تھے وہ ضعیف

ناک پر چشمہ تھا لٹکا، بال تھے بکھرے ہوئے
داغ تھے چیچک کے رخ پر جابجا پھیلے ہوئے

شکل سے بالکل وہ میراثی نظر آئے مجھے
عقل سے لیکن وہ چپراسی نظر آئے مجھے

جب کہا حسنین نے ان سے ملو ستار ہیں
آج کل اردو جگت کے مالک و مختار ہیں

سر مرا چکرا گیا اور دھڑ سے صوفے پر گرا
اور پھر شرما حضوری میں انھیں کہنے لگا

غائبانہ طور پر اچھی طرح واقف ہوں میں
ایک زمانے سے میاں ستار کا عاشق ہوں میں

آج قدرت نے ملا کر مجھ پر یہ احساں کیا
خود بخود میں ان سے مل کر قائلِ شیطاں ہوا

خوبیاں استغفراللہ ان کی گنواؤں اگر
گر پڑے بس آسماں نازل ہو اللہ کا قہر

عاشق ام الخبائث شکل خود ان کی خبیث
گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہے تھے چار و بیس

جو کرے اپنے رفیقوں کی سدا بدگوئیاں
خالقِ کونین دے گا ان کو یوں رسوائیاں

زمانے سے میرے دل میں تڑپ ہے

کروں میں کام کچھ ایسا کہ جس سے
زمین و آسماں جس کو سرا ہے
بقائے دین و دنیا کے لیے بھی
مرتب فکر میرے دل میں جاگے

زمانے سے مرے دل میں تڑپ ہے

زمانے سے لڑوں بیوہ کی خاطر
سماجی رسم و بندھن توڑ ڈالوں
زمانہ دیکھے گر غرّا کے مجھ کو
غلط بیں دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالوں

زمانے سے میرے دل میں تڑپ ہے

یتیموں، بے نواؤں کا سہارا
نئے انداز سے ایسا بنوں میں
کہ گذروں جب کبھی کوئی جگہ سے
نہ پہچانے مجھے نہ کوئی جانے

زمانے سے مرے دل میں تڑپ ہے

بنوں میں رہنمائے قوم و ملت
نکالوں قوم کو میں اس گٹر سے
بہت برداشت کی ہے اس نے ذلت

زمانے سے میرے دل میں تڑپ ہے

بلکتے بچوں کے سر پر رکھوں میں دستِ شفقت
شریک غم رہوں چاروں پہر میں
مگر تنہائی میں جاری رہیں اشکِ ندامت

زمانے سے مرے دل میں تڑپ ہے

ہمارے ملک میں امن و اماں ہو
سماجی ڈھانچہ میرا اس طرح ہو
خوشی ہر طبقہ میں ہر قوم میں ہو

زمانے سے میرے دل میں تڑپ ہے

کسی کی انگلی میں گر درد ہووے
تو سارا جسمِ انسانی تڑپ کر

مداوا خود کرے دردِ جگر کا
نہ اس میں قید ہو مذہب کا کوئی
نہ اس میں بھید ہو رنگ و نسب کا

زمانے سے مرے دل میں تڑپ ہے

بنے اک مرکز عشق و محبت
جہاں گیتا بھی ہو اور وید بھی ہو
کریں سب مل کر اس کی ترجمانی
کہ اک اک لفظ ہو بس لن ترانی
محبت کی، اخوت کی، شرافت کی کہانی
ملے سننے کو صرف شیریں زبانی
پڑھیں سب درسِ انسانی
سنیں آیاتِ قرآنی

زمانے سے مرے دل میں تڑپ ہے

میرے بزرگ دوست یونس سلیم مرحوم کی
بہار کی گورنری سے استعفیٰ سے متاثر ہوکر

چلا تو آیا تھا محفل سے تشنگی لے کر
وہ سب کی آنکھوں میں سیلاب چھوڑ آیا تھا

نحیف، لاغر و دل کا مریض تھا لیکن
وہ جور و ظلم کا سیلاب موڑ آیا تھا

عجب نگاہ سے سب دیکھتے رہے اس کو
یہی ہے شخص جو ساغر کو توڑ آیا تھا

انا کا درس بڑی سادگی سے دے کر وہ
ضمیر مردہ دلوں کا جھنجھوڑ آیا تھا

سلیم آپ سلامت رہیں قمر بن کر
رہے مدام ترا فیض اب ثمر بن کر

حیدرآباد میں پروفیسر ڈمری کے سمینار کے موقعہ پر

(۱۹۸۳-۸۴)

جب صبح ہوئی اس دم مرغوں کی صدا آئی
ذہنوں میں بسی پھر بھی رہتی ہے وہ انگڑائی

تنہا تھا میں کمرے میں مچھر کا شکاری تھا
حیدر کی اس نگری میں بس ایک بہاری تھا

دل میں تھی بسی لیکن شعروں کی یہی محفل
کچھ بات کہوں ایسی بن جائے وہ گُل یا گِل

جھٹ بیٹھ گیا میں بھی لکھنے کو کوئی منتر
پھر چلنے لگے دل کے زخموں پہ کئی نشتر

اس گرم فضا میں بھی ذہنوں میں بہار آئی
جب خون بہا دل کا شعروں میں نکھار آئی

پھر سات فلک پر بھی اپنی ہی حکومت تھی
مرہم نہ کوئی چاہا نہ اس کی ضرورت تھی

یہ زخم مرے دل کا اللہ کی نعمت ہے
شعروں میں روانی تو بس اس کی بدولت ہے

حیدر کی اس نگری میں بس ایک دعا دے دو
جب بھی میں لگوں سونے، زخموں کو ہرا کردو

نیشنل ڈیفنس اکیڈمی کھڑکواسلہ (پونہ) کی اس حسین شام میں پڑھی گئی جسے وائینگ ان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

(۱۹۶۸)

آ گیا ہوں آپ کی خدمت میں نذرانہ لیے
مر مٹوں گا میں یہاں اب شوق پروانہ لیے

اے وادی پونہ بہت سنتا تھا تیری داستاں
ڈر کے مارے آیا تھا ہاتھوں میں دستانہ لیے

پر یہاں پر میں نے پایا خوب ہی آب و ہوا
جیسے جنت کی ہو مستی موج مستانہ لیے

ہر ایک شئے کو میں نے پایا پرسکون و پرخموش
ہے خموشی یاں مگر انداز شاہانہ لیے

ہر ایک کیڈٹ میں نے پایا بااصول و باتمیز
ہر ایک افسر میں نے دیکھا شان مردانہ لیے

میں یہاں کی حسن و خوبی کیا کہوں کیسے کہوں؟
وادیِ گلشن ہے یہ ہر ایک رخسانہ لیے

میں ہوں اک کمبخت ایسا چائے تک پیتا نہیں
لوگ بیٹھے منتظر ہیں جام و پیمانہ لیے

کیفی اعظمی کی جے این یو آمد پر فی البدیہہ

شہنشاہِ سخن اس دور کے آئے ہیں کیفی جی
جواہر لعل کی نگری کی اپنی خوش نصیبی ہے

مگر سب جانتے ہوں گے بخوبی اس حقیقت کو
نہیں آنا یہاں خود آپ میں اک بد نصیبی ہے

اگر گوداوری کا میس ہو اور شعر کا بھوجن
نہ آنا غیر ممکن ہے جہاں حلوہ جلیبی ہے

غبار

ہے جو دل میں کہوں میں تو کیسے کہوں
آگ سینے میں ہے سانس بھی آتشیں

سارے الفاظ
آتش فشاں کی طرح
پھیل جائیں گے
گلیوں میں بازار میں
خاک ہو جائیں گی
سب سیاسی دکان

موم کے سارے خود ساختہ یہ محل
آنِ واحد میں ایسے پگھل جائیں گے
جیسے مظلوم کی بے صدا آہ سے
قصرِ فولاد بھی
بے نشاں ہو گئے

تم نے سوچا ہے بانٹو گے انسان کو
قوم کے نام پر؟

دھرم کے نام پر؟
بے دھرم، بے شرم
تم سے بڑھ کر نہیں کوئی
شیطان ہے
تم ہونگ زمیں
تم ہونگ وطن
میرا ایمان ہے

تم دشمنِ دیں بھی ہو
دشمن ملک بھی
دشمن عقل ہو
یہ تو معلوم تھا

کوئی اپنے ہی بازو کو کاٹا کرے
پھر کہے فخر سے میں نہتھا نہیں
تیرا بازو کٹا تم کو معلوم ہے؟
تم کو معلوم ہے
تیرے دشمن سبھی
تیری حرکت پہ
پھولے سماتے نہیں

تیری حرکت کی
جو بھی ستایش کرے
اس سے بڑھ کر
کوئی بھی تو احمق نہیں
وہ بھی تیری طرح
دشمنِ دین بھی ہے
دشمنِ ملک بھی

ردِّعمل

اگر احساس ہو کہ آج کی شب زندگی کی آخری شب ہے
تو کیا ردِّعمل ہوگا؟
نظارے زندگی کے از اوایل تا اواخر جھلملائیں گے
عزیزو! نامۂ اعمال بھی سب یاد آئیں گے
کہاں سستی ہوئی، غلطی ہوئی جس کا مداوا تھا
کہ ہر گذرے ہوئے لمحے اسی دم یاد آئیں گے

نادان بھائی

پچھتّر سال کے اس جسم کو لے کر
کہاں جائیں
ہمارا بھائی کہتا ہے
کہ ساری ملکیت باوا نے
اس کے نام کر دی تھی
مگر مانگو جو دستاویز
تو پھر منہ چھپاتا ہے
اسے معلوم ہے کہ جھوٹ کی نیا بہت کمزور ہوتی ہے
کسی حالت کنارے تک وہ پہونچا ہی نہیں سکتی
مجھے ڈر ہے کہ خود بھائی مرا بھی ڈوب نہ جائے
میں اس کو مشورے دیتا ہوں
کیوں برباد کرتے ہو وراثت کو
مگر اس بے عقل کو عقل کی باتیں سمجھ میں ہی نہیں آتیں
اشارہ بھی کیا میں نے کہ دشمن گھات میں بیٹھا
نظارہ کر رہا ہوگا
نظارہ دیکھ کر دل میں خوشی سے جھومتا ہوگا
کرو کچھ شرم، گھر کی بات ہے تم گھر میں رہنے دو

کرو مجبور نہ مجھ کو کہ چیخوں اور چلاؤں
کہ چیخیں گھر سے باہر بھی نکلتی ہیں
گلوبل گاؤں کا مکھیا بھی شاطر ہے
بہانہ ڈھونڈھ کر ڈر ہے کہ پنچایت نہ بلوائے
نہ کر مجبور مجھ کو اس طرح کہ آپسی جھگڑے میں
ساری ملکیت کھو دیں
عقل سے کام لے بھائی
یہ پشتینی وراثت ہے
محبت ہے تو خوشیاں ہیں
خوشی ہی اصلی دولت ہے

قطعات

گل بداماں، گل سراپا، گل ہی گل ہے خوئے دوست
بلکہ وہ گل ہی نہیں جس میں نہ ہو خوشبوئے دوست

١

مہرو باجی

چھوڑکر ہم سب کو چل بسیں باجی
مجھ سے ناراض تھیں جانے کی خبر تک نہ دیا
میں بھی مجبور تھا پہونچا نہیں میں ان کے حضور
دس مہینوں سے میرا حال بھی کچھ ابتر تھا
یہ قلق رہ گیا جب تک کہ میری سانسیں ہیں
رہ گئی بس یاد ان کی اور سرد آہیں ہیں
کیسے بتلائیں کہ شفقت کا سہارا نہ رہا
سچ تو یہ ہے کہ محبت کا منارہ نہ رہا

٢

برائے نزملؔ رائے پوری

بہت باریکیاں ہیں شعر میں نزملؔ کے اے عالمؔ
میری بدقسمتی تھی آج تک ان سے نہ مل پایا
بتاؤں کس سے اپنا حال، دنیا سے نہ ملنے کا
ہمارے پیر میں زنجیر تھی بالکل نہ ہل پایا

۳

پھول * کے شہر میں پتھر کی جو بارش دیکھی
صاف آئینہ میں کچھ لوگوں کی سازش دیکھی
جن سے امید تھی آئیں گے بجھانے کو یہی
جب مرا گھر جلا ان ہاتھوں میں آتش دیکھی
غم کی گھنگور گھٹا شہر میں جب گھر آئی
شکر اللہ کا اپنوں کی نوازش دیکھی

جواہرلعل کی نگری میں بھی جوہر نہیں ملتے
حسینوں کو لوَر مل جاتے ہیں شوہر نہیں ملتے
یہاں کی بیویوں کو خاص کر اس کی شکایت ہے
کچن میں کام کرنے کو انھیں نوکر نہیں ملتے

برسات کی بارش کو بھی اب عقل آگئی
چن چن کر اپنے کھیتوں کو سیراب کرگئی
مدت سے ایک پودے کو بدحال دیکھ کر
اتنی ہنسی کہ آخرش سیلاب کرگئی

* جواہرلعل نہرو یونیورسٹی کے ۱۱ر مئی ۱۹۸۳ء کے تاریخ ساز واقعہ سے متاثر ہو کر۔

۴

کہاں پوری کروں ہر روز میں شعروں کی فرمائش
نہ ہو جب ذہن ہی موزوں کہاں وزنوں کی پیمائش
یہاں تو رات دن بجلی اور پانی کی رہی قلت
بہت مشکل ہے ان حالات میں اشعار کی رغبت

۵

تبسم کی قیمت عجیب و غریب
کلی جو ہنسی موت دیکھا قریب
یہی زندگی جس پہ نازاں ہیں سب
جتن جس کی خاطر کریں روز و شب
نہیں جانتے ہیں یہ کب تک کی ہے؟

۶

خیالِ خام کو الفاظ کا جامہ نہیں اچھا
ذراسی بات پر ہو شور و ہنگامہ نہیں اچھا
تڑپ کر دل سے جو نکلے اسے لفظوں کی کیا حاجت
سراپا حسن کو آرائش خامہ نہیں اچھا

۷

شعر گوئی تو ایک بہانہ ہے
پسِ پردہ یہ تازیانہ ہے
کوئی جاتا ہے چاند پر عالؔم
کوئی محتاج دانہ دانہ ہے

۸

باغِ اِرم کو چھوڑ کر آیا ہوں تیرے پاس
انساں ہوں آسماں کا فرشتہ نہیں ہوں میں
میرے خمیر میں ہے بغاوت کی چاشنی
باغی ہوں کوئی زر کا خریدہ نہیں ہوں میں
اِک اِک برائیوں کو اب ظاہر کروں گا میں
سچ بولتا ہوں سچ کا لبادہ نہیں ہوں میں

۹

حالؔی کے بعد حال تک کوئی نہیں ہوا
کہتے ہیں جس کو اہلِ قلم اہلِ شعر سب

ہریانہ ایک ایسا خزانہ ہے ملک کا
لوٹا ہے سب نے اپنے طریقے سے آج تک
بنسی بجی، بھجن بھی سنائے گئے یہاں
کچھ روز ہمیں جھنڈی ہری بھی دکھائی دی
یکتا کی بات قوم کی عظمت سنائی دی
معلوم یہ ہوا کی بھلائی کی آڑ میں
اک بھیڑیا چھپا تھا سیاست کے جھاڑ میں

۱۰

مگر یہ سچ ہے ہمیشہ نمازِ فجر کے بعد
معاشِ روز کے افکار سر پر منڈلائے
رہی لگن یہ ہمیشہ کہ روشنی میں بھی
ترے جمال کی تسبیح لب پر آجائے

۱۱

تمہاری یاد تو آتی ہے شب میں پچھلے پہر
جسے میں دن کے اُجالے میں بھول جاتا ہوں
بہت دنوں سے یہ کوشش رہی کہ دن میں بھی
جمالِ یار کی رعنائیاں نظر آئیں

۱۲

کہو کچھ بات جس میں اپنے دل کی ترجمانی ہو
بظاہر قصہٗ مجنوں ہو پر اپنی کہانی ہو
مصیبت زندگی میں اس قدر جھیلی ہے عالَم نے
کہ راحت دیکھ کر سمجھا بلائے ناگہانی ہو
ہماری زندگی کی ترجمانی ایک جملے میں
سنو! ایسی ہے جیسے ایک بیوہ کی جوانی ہو

۱۳

ہم نے بھی کیا نبھایا ہے عہدِ وفائے یار
تاریخ بھی خموش ہے تمثیل کے لیے
ہم تو وہ ہیں کی ایک اشارے پر جان دیں
مہر و وفا محبت و ایمان کے لیے

۱۴

گر تو نہیں تو ان گل و گلشن سے کام کیا
تیرے بغیر شربِ مئے لالہ فام کیا
تفسیرِ زیست تیری محبت کا نام ہے
گر یہ نہیں نصیب تو جینا حرام ہے

۱۵

خدمت خلق مدعا میرا
جذبۂ عشق ناخدا میرا
غمِ طوفاں نہیں ہے کشتی کو
ناخدا بن گیا خدا میرا

۱۶

پہنچے ہیں گرچہ آخری منزل پہ آج ہم
اب بھی اسی جگہ ہیں چلے تھے جہاں سے ہم
دنیا کی بے ثباتی کا رونا فضول ہے
دنیا میں جب سے آئے ہیں سنتے رہے ہیں ہم
اللہ کی پناہ مہذب جہان میں
اپنوں سے کھاتے آئے ہیں مکر و فریب ہم

۱۷

اے ذہنِ رسا ساتھ نہ چھوڑو میرا
اے میرِ وفا قلب نہ توڑو میرا
توڑو تم اگر دہر کے بندھن توڑو
دم نکل جائے مگر ہاتھ نہ چھوڑو میرا

۱۸

وہ ایک نظر عشق کی کیا ہوتی ہے عالم
تقدیر بدلتی ہے فقط ایک نظر سے
وہ چشم وہ ابرو، وہ کشش اس کے بدن کی
کچھ کہتے نہیں بنتا ہے اللہ کے ڈر سے
مسجد سے نکلتے ہی نظر کس سے لڑائی
کچھ شرم کرو، لوٹے ہو اللہ کے گھر سے

۱۹

دانش کا پجاری کوئی نہیں
سب حرص و ہوس کے دیوانے
رہتے ہیں تلاشِ زر میں سبھی
کیا عاقل ہوں، کیا فرزانے
دل میرا بھی اب دکھتا ہے
ہر وقت پریشاں رہتا ہے
جو مرکزِ جہل و فساد رہا
اس دردِ نہاں کو کیا جانے

۲۰

کچھ نہ ایسا کرو روزِ روشن میں تم
رات کے گھپ اندھیرے میں سو نہ سکو
بھول کر بھی اندھیرے میں ایسا نہ کر
دن میں چہرہ کسی کو دکھا نہ سکو

۲۱

عشق دولت ہے جو ملتی نہیں آسانی سے
یہی تشریح ملی آیتِ قرآنی سے
دل کو تم پاک کرو شربِ مصفا پی کر
یہ کدورت کبھی دھلتی ہی نہیں پانی سے

۲۲

مرضی ہو تو سولی پر چڑھانا یارب
سو بار جہنم میں جلانا یارب
معشوق کہیں آپ ہمارے ہیں بزرگ
ناچیز کو یہ دن نہ دکھانا یارب

۲۳

الٰہی کیا تجھے منظور ہے اس دارِ فانی میں
سسکتا، بلبلاتا، آہ بھرتا ہی رہوں دائم
الٰہی کیا تجھے منظور ہے اس قیدخانے میں
سدا ظالم منافق کی حکومت ہی رہے قائم
الٰہی کیوں نہ ایسی غیب سے تدبیر ہوجائے
یتیموں، بے نواؤں کی بھی اب تقدیر بن جائے

۲۴

تم کیسے عاشقِ صادق ہو کچھ فرہاد کی سوچو
سنائی دے رہی ہے کوہ سے آواز تیشے کی
مرا دل توڑکر وہ پوچھتے ہیں بے نیازی سے
کہاں سے آرہی ہے آج یہ آواز شیشے کی

۲۵

میں جانا چاہتا ہوں اپنے ماضی کے بیاباں میں
بہت خوش تھا غمِ دنیا، غمِ عقبیٰ تھے بے معنی
جہاں کب رات ہوتی تھی، کہاں سورج نکلتا تھا
جہاں ہر سو محبت تھی کبھی نفرت نہیں جانی

۲۶

خدا کے بندوں کی خدمت نماز وحدت ہے
کسی کے غم میں تڑپنا بھی تو عبادت ہے
خدا کی خلق سے کترا کے جستجو اس کی
جہاں میں سب سے بڑا کفر ہے، جہالت ہے

۲۷

از لبِ صادق یہ مصرع سن کے حیراں ہوگیا
''میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا''
ظلم و استبداد کی میں داستاں کہنے کو تھا
سن کے اس کی داستاں میں خود پشیماں ہوگیا

۲۸

ہر شخص آج اتنا پریشان حال ہے
خود جانتا نہیں کہ بُرا اس کا حال ہے
روٹی کی فکر میں لگا رہتا ہے رات دن
شعر و سخن کی مشق کرے کیا مجال ہے

۲۹

میں نے سمجھا تھا کہ آسان ہے دل کا دینا
دل دیا تو ہوا معلوم کہ سب کھوبیٹھا
بے وفا جن کو سمجھتا رہا اک عمر تلک
ان کی آنکھوں سے بہا اشک تو میں روبیٹھا

۳۰

مجبور ہوا میں تیرا اندام دیکھ کر
ڈر ہے کہ بدل جاؤ نہ حالات دیکھ کر
رخسار ترے گرچہ جنوں خیز نہیں تھے
عاشق ہوا تھا میں ترے جذبات دیکھ کر

۳۱

مری بساط ہی کیا ایک کوک کی بوتل
ملی تو شکرِ الٰہی کیا بصد احسان
کہا نفس نے ابھی بود و باش باقی ہے
ترا کرم ہے الٰہی ہزار ہے احسان

۳۲

تیری زلفوں کا سایہ ہمیں مل گیا
عاؔلم پیر پھر سے جواں ہوگیا
ہم نے دیکھی ہے دنیا بڑی غور سے
وقت بدلا تو پھر کیا سے کیا ہوگیا
کیسے کیسے جیالے عدم جاچکے
موت آئی تو سب کچھ دھرا رہ گیا

۳۳

یوں تو پتھر بہت سے دیکھے ہیں
کوئی تم سا نظر نہیں آیا
ماں کی آنکھیں کھلی کھلی ہی رہیں
اس کا نورِ نظر نہیں آیا

۳۴

رہِ سلوک میں ایسا مقام آتا ہے
نگاہِ ناز سے پیہم پیام آتا ہے
نہ کوئی ربط نہ برسوں سے واسطہ ہی رہا
خدا گواہ ہے پھر بھی سلام آتا ہے

۳۵

مایا کا نام سنتے ہی دل میں امنگ ہے
خوشیوں میں مرا جھوم رہا انگ انگ ہے
حد ہے کہ اسے آج تک پہچانتا نہیں
دیکھا نہ اس کو آج تلک جانتا نہیں
آواز اس کی کانوں میں رس گھول رہی ہے
تصویر بنا دیکھے ہی کچھ بول رہی ہے

۳۶

وہ نہ ہوگا تو کیا کمی ہوگی
بس ادھوری سی زندگی ہوگی
غم ہی چاندی ہے غم ہی سونا ہے
غم نہ ہوگا تو کیا خوشی ہوگی
جس سے شکوہ اُسی کو چاہوں میں
مجھ سے ایسی نہ بندگی ہوگی

۳۷

جو اپنی خودنمائی کررہا ہے
وہ اپنی جگ ہنسائی کررہا ہے
جو کل تک تھا میرا بندہ خرید
مجھی سے لب کشائی کررہا ہے

۳۸

سرد موسم تھا، بہت تنہا تھا میں
یاد ان کی آکر کچھ گرما گئی
ظلم تنہائی کا شب بھر دیکھ کر
ظلمتِ شب بھی مگر شرما گئی

۳۹

عشق و جنوں کو مفت میں بدنام مت کرو
منزل کی راہ میں کبھی آرام مت کرو
بدنام جس سے ہوں تیرے آبا کی نیکیاں
بھولے سے بھی تم ایسا کوئی کام مت کرو

۴۰

رازِ دلی نہ کہنا کسی مہ جبین سے
کہتاہوں ایسی بات میں پورے یقین سے
پچھتا رہا ہوں آج تلک اس گناہ پر
میں نے بھی کہہ دیا تھا کبھی اک حسین سے

۴۱

مسیحا بن کر کل جو شخص میرے گھر پر آیا تھا
مجھے اچھا لگا اور نام بھی فاروق ہے یارو
بظاہر وہ مجھے پہلے حسیں انساں نظر آیا
مگر اب میرا ملجا ہے مرا معشوق ہے یارو

متفرقات

ہزاروں خوبرو دیکھے ہیں میں نے
مگر تجھ سا حسیں کوئی نہیں ہے

۱

اسکول کے زمانے کے کچھ اشعار

منزل ہے وہی پر راہ بہت
کوئی سجدہ کرے کوئی پوجا کرے
جانا ہے سبھی کو ایک جگہ
کوئی گڑ جائے کوئی جل جائے
تم پھول کھلے ایک ڈالی سے
تو کیوں لڑتے ہو آپس میں
تم آپس میں یوں مل جاؤ
کہ دشمن بھی تھرا جائے

۲

یہ چاروں طرف جو اندھیرا ہے چھایا
دلوں پر ہے انساں کے تاریک سایا
محبت کے نام و نشاں مٹ رہے ہیں
کتابوں میں کیڑے بہت بٹ رہے ہیں

۳

فلک بوس نفرت کی اونچی عمارت
بہت جلد ڈھہ کر زمیں بوس ہوگی
ہے بنیاد جس کی سمندر کی ریتیں
یقیں ہے بہت جلد غرقاب ہوگی

۴

یہ نفرت کی جتنی ہوائیں چلائیں
یہ اپنی ہی کوشش سے برباد ہوں گے
محبت تو خود اک تناور شجر ہے
جڑیں جس کی گہری ہیں پھیلی ہوئی ہیں

۵

محبت کی خوشبو رکے نہ رکے گی
کروڑوں دلوں کی یہ آواز ہوگی
محبت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
محبت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے

۶

ہم پڑوسی ہیں مگر ہیں اپنی آنکھوں کی طرح
نہیں ملتے ہیں ہم ایک دوسرے کے پاس رہ کر بھی

۷

کہنے کو زندگی بھر ترے ساتھ ہی رہا
لیکن خدا گواہ ہے میں اجنبی رہا
سچ ہے کہ تیرا عاشقِ صادق رہا ہوں میں
مانا کہ تری دید کے قابل نہیں رہا

۸

ہوشمندی کا تقاضہ ہے کہ خاموش رہیں
لب کشائی کبھی نظروں سے گرادیتی ہے

۹

کب تک میں انتظار میں در پر کھڑا رہوں
پتھر تو نہیں ہوں کہ بس یوں ہی پڑا رہوں

۱۰

مری سانس نے مجھے یہ کہا
میاں سن حقیقت برملا

۱۱

یہ راہ و جادہ کی بات ہے
سبھی ختم، خاک و کفن میں ہے

۱۲

مرا جسم ہے میری آنکھ میں
میری آنکھ اس کے بدن میں ہے

۱۳

بدن اس کا ہے میری روح میں
مری روح شعر و سخن میں ہے

۱۴

میرا ذہن دل کا رفیق ہے
مرا دل رفیق ہے جسم کا

۱۵

بہت ملکوں ملکوں پھرا ہوں میں
بہت محفلوں میں سجا ہوں میں

۱۶

کوئی ملک مجھ کو نہیں ملا
جہاں اپنی جیسی ہوں خوبیاں

۱۷

مجھے ناز اپنے وطن پر ہے
سبھی حسن اپنے چمن میں ہے

۱۸

مجھے دشواریوں میں زندگی آساں نظر آئی
اگر آسانیاں ہوتیں تو پھر دشوار ہوجاتی
پچھتّر پار کرلی ہے جوانی اب بھی باقی ہے
نہ جانے کیوں جواں خواہش کبھی بوڑھی نہیں ہوتی

۱۹

موت ہی نے بخشی ہے زندگی کو زیبائی
موت گر نہیں ہوتی زندگی تھی رسوائی

۲۰

فنا نے حسن بخشا ہے بقا کو
بقا کا حسن مضمر ہے فنا میں

۲۱

اب اس کا آپ کوئی بھی مطلب نکالیے
سچی جو بات تھی وہ زبان سے نکل گئی

۲۲

جو میرا فرض تھا وہ ادا میں نے کردیا
اب آپ چاہے اپنا بھلا یا برا کریں

۲۳

بے سبب مجھ سے وہ ناراض نہیں رہتے ہیں
میری ہستی ہے کھٹکتی انھیں کانٹوں کی طرح

۲۴

مقصود زندگی نہیں معلوم آج تک
بھٹکے ہوئے مسافر دریوزہ گر ہیں سب

۲۵

گزر رہی ہے کسی طرح زندگی اپنی
نہ خوشیاں ہیں نہ غم ہی ہے عجب پژمردگی سی ہے

۲۶

دنیا نہ جیت پاؤ تو ہارو نہ خود کو تم
تھوڑی بہت تو اپنی خودی کا خیال ہو

۲۷

جلدی بھی تمہیں کیا ہے آغوش میں لو مجھ کو
جانے کو میرے دوست ابھی رات پڑی ہے

۲۸

عاشق وہ ہے جو بلبل، گل سے کرتا ہے سدا
صد جفا خاروں کی سہتا ہے محبت کے لیے

۲۹

اک تبسم ہزار شکووں کا
کتنا پیارا جواب ہوتا ہے

۳۰

یہ اس کا شہر ہے، تم کر بھی کچھ نہیں سکتے
غموں کو ہنس کے چھپانا ہے، رو نہیں سکتے

۳۱

ہم اپنی وضع داری کا ہمیشہ پاس رکھتے ہیں
کہ دل روتا بھی ہے تو مسکراتے ہیں متانت سے

۳۲

میری کہانی تری داستاں سے ملتی ہے
کہیں تو جاکے زمیں آسماں سے ملتی ہے

۳۳

مکان وہ ہے جہاں ہر گھڑی سکون ملے
کسی بھی حال میں دیوار و در کا نام نہیں

۳۴

مجھے گذشتہ بہاروں کی قید پیاری ہے
خزاں سے دوستی میری، کبھی نہیں ممکن

۳۵

تو گلِ صد برگ گلزار جہان آباد ہے
تیری خوشبو سے گیا کا 'پنجروان آباد' ہے

۳۶

خدا جانے کہاں پہنچا ہوں الفت کے مراحل میں
کہ ان سے مل کے بھی اب جی ہمارا خوش نہیں ہوتا

۳۷

میرے جنوں کو جس نے بھی زنجیر دیا ہے
میں نے بھی اس کو نعرۂ تکبیر دیا ہے

۳۸

میرا جو فرض تھا وہ ادا میں نے کر دیا
باقی حساب آپ کے کھاتے میں جائے گا

۳۹

میں نے کہا سلام تو اس نے کہا کہ کیا
میں نے دیا پیام تو اس نے کہا کہ ہوں!

۴۰

نہ شریکِ بزم ساقی نہ نصیبِ شب گذاری
میری زندگی ہے گذری عجب بے بسی میں ساری
تجھے کیا پتہ کہ میں بھی سرِ راہ سب کو جیتا
تجھے کھوکے لگ رہا ہے سبھی کائنات ہاری

۴۱

میں تجھ کو کیسے بتاؤں حسین دل پاگل
خدا نے حسن دیا حسنِ لاجواب دیا

۴۲

مسیحا تو نہیں ہوں میں، مگر قاتل نہیں بالکل
غموں کو بانٹنا ویسے بھی ہر شاعر کا پیشہ ہے

۴۳

جو اس نے حسن دیا ہے تو اس پہ ناز نہ کر
خدا نے تم کو بنایا ہے دلبری کے لیے
بجز خدا مجھے اب کچھ نظر نہیں آتا
نہ چھیڑو اب مجھے دنیا کی سَروَری کے لیے

۴۴

میرے استاد[۱] نے یہ حرف زریں مجھ سے فرمایا
جہانگیری سے ہے دشوارتر کارِ جہانبانی

۴۵

اگر تیرا ہی در ہوتا تو اب تک عرش پر ہوتا
یہ در در کی جبیں سائی کسے کب راس آئی ہے
مسیحا ایک ہی رکھیو، بلا سے مرض مہلک ہو
جبیں سائی بہ تنہائی علاجِ زخم کاری ہے

۱۔ پدم شری پروفیسر سید امیر الحسن عابدی۔

۴۶

وہ سنگدل کو بھی نرمی سے جیت لیتے تھے
سنا کے کلمہ توحید لاشریک لہٗ

۴۷

مہمان مجھے عزیز، میری سانس کی طرح
آئے تو زندگی ہے نہ جائے تو موت ہے

۴۸

راستے میں رہ گئے سارے کے سارے رہ نورد
مال و متاع کو لوٹ کر رہبر ہی اپنے گھر رہ گیا

۴۹

میں تیرے مندر و مسجد سے بہت تنگ آیا
کھول دے تو درِ مے خانہ ہمیشہ کے لیے

۵۰

جاؤ زاہد کسی مظلوم کے آنسو پوچھو
اور پھر مجھ کو بتاؤ کہ عبادت کیا ہے

۵۱

تغافل اس طرح برتا کہ جیسے اجنبی ہے وہ
صدائیں دور تک آتی رہیں دل کے دھڑکنے کی

۵۲

وصل کی امید اس دنیا میں کم
میں پریشاں ہوں بہت دنیا سے جانے کے لیے

۵۳

نہیں آتی ہے ان کی یاد مدت تک نہیں آتی
مگر جب کام پڑتا ہے تو اکثر یادآتے ہیں

۵۴

اوروں میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے
وہ بے وفا تھا اور تم چالاک بہت ہو

۵۵

رستے میں اگر راہی ہمراہی پہ مائل ہو
لازم تو نہیں دونوں کی ایک ہی منزل ہو

۵۶

صبح بھی شام بھی ہر وقت رہے سناٹا
کہیں علامتِ آمد کوئی طوفان نہ ہو

۵۷

وہ میرے گھر پر آنا چاہتا ہے
نہ جانے کیا وہ مجھ سے چاہتا ہے

۵۸

ادب ہے شرط ضروری، قدم اٹھانے کی
کہیں یہ کاسہ، سرِ نازنین و گل تو نہیں

۵۹

جب تک ترے خیال سے وابستگی نہ تھی
کہنے کو زندگی تھی مگر زندگی نہ تھی

۶۰

ایک دن جھونکا ہوا کا سب اڑا لے جائے گا
مال و دولت شان و شوکت سب پڑا رہ جائے گا

۶۱

نگاہ ناز کی برچھی سے دل گھائل ہوا ایسا
کہ جیسے زندگی کی آس میں بسمل تڑپتا ہو

۶۲

کلی جب پھول بننے کو خوشی سے مسکراتی ہے
مجھے بے ساختہ اپنی جوانی یادآتی ہے
ستم کرکے، پلٹ کر جب کوئی الزام دیتا ہے
ہزاروں ظلم کی اپنی کہانی یادآتی ہے

۶۳

خوشیاں نصیب ساری کرے ربِّ دو جہاں
موہن ہے نام موہنی صورت بھی ہے میاں

۶۴

اک طرف حسن و جوانی اک طرف شاعر کا دل
مار کھائے گا یہاں پر آج گڑگاؤں میں تو

۶۵

زندگی بھر جو گدائی خاکِ ربانی بنے
بے سر و سامان رہ کر رشک سلطانی بنے
نسخہ ہے آسان پی لو گھول کر جلدی سے جلد
ذکرِ رب کرتے رہو تو چہرہ نورانی بنے

۶۶

بہایا خون کے آنسو تو پھر اس ایک قطرے سے
بیابان، دشت میں بھی آب کے چشمے نکل آئے
ہمیں رونا نہیں آتا ہمیں دھونا نہیں آتا
دعاؤں کے اثر سے ریگ میں سنبل نکل آئے

۶۷

دعائیں بھی صداقت کی اثرانگیز ہوتی ہیں
اسی دم چشم ساقی بھی بہت لبریز ہوتی ہے

۶۸

کیوں ابر تعصب ہے ہر چار طرف پھیلا
کیوں شور مسلسل ہے ہوتا ہے کیوں واویلا

۶۹

کیوں نہ اظہار کروں دل کی تمناؤں کا
کیوں نہ انکار کروں بے سبب افواہوں کا
کب تلک دل میں تڑپ پیار و محبت کا لیے
چپ رہوں، خون کروں دل کے سب ارمانوں کا
یا خدا پاک محبت کے جتانے کے طریقے دیدے
یا خدا جرأت اظہار و سلیقے دیدے

۷۰

ایک سمندر غم کا پھیلا دل کے اک گوشے میں ہے
دوسرے گوشے میں اک بزم طرب، رقصِ جنوں
تیسرا گوشہ ہے بے شک بے نواؤں کے لیے
چوتھے میں خوفِ خدا حُبِّ رسول اللہؐ ہے

۷۱

دل کی دنیا سے بڑی دنیا نہیں ممکن کوئی
صد جہانِ آرزو کی وسعتیں بھی کم یہاں

۷۲

میں کیسے کہہ دوں کہ اس سے نہیں رہا رشتہ
وہ دور تھا مگر میرے ہی آس پاس رہا

۷۳

کچھ کرنا اگر چاہو تو پھر کام بہت ہیں
گوشے میں وگرنہ تمہیں آرام بہت ہیں
قسمت میں مری گردش و آلام بہت ہیں
تحسینِ نظر کم مگر دشنام بہت ہیں

۷۴

محبت کی یہاں محفل سجی ہے
چلے آؤ یہاں تیری کمی ہے

۷۵

وحشی نگاہ جب ترے تعقیب میں پڑی
آنکھوں میں اپنی تم کو چھپائے رہاہوں میں

۷۶

میں ہمیشہ تنہا تھا، آج بھی میں تنہا ہوں
دوست تھا جو اک میرا، وہ بھی بے وفا نکلا

۷۷

جمالِ یار کی رعنائیوں کی حد ہی نہیں
نظر اٹھاؤ تو تا حدِ نظر پھیلی ہے

۷۸

زندگی میں ہر گھڑی دیکھا کیے ہیں زیر و بم
ہر گھڑی ہنستا کبھی تھا اور اب ہوں چشمِ نم

۷۹

عابد[1] نے مجھے ایک نشانی دیدی
حتیٰ کہ مجھے یاد جوانی دیدی
میں بھی کبھی کاغذ کو کیا کرتا تھا رنگیں
خوش ہوں کہ مجھے یاد جوانی دیدی

۸۰

اظہارِ غم کا میں کبھی قائل نہیں رہا
کچھ تجربے تھے شعر کے سانچے میں ڈھل گئے

۸۱

پہنچے ہو کس مقام پر محمود آج تم
پوچھا کسی نے حال تو آنسو میں ڈھل گئے

۱- عابد رضا بیدار نے جب میری سفید پتلون پر غلطی سے سیاہی پھیلائی۔

۸۲

تبسم زیرِ لب کر کے کبھی انگڑائی لیتے ہیں
تو کیا سمجھوں کہ در پردہ محبت کا اشارہ ہے

۸۳

تیری خطا تھی کیوں گئے کمبخت کے در پر
جاتا ہے بھلا کیا کوئی کم ظرف کے گھر پر
چھوٹوں کو کبھی اپنے سے تم منہ نہ لگاؤ
ناچیں گے یہی لوگ وگرنہ ترے سر پر

۸۴

ہر تبسم کو محبت کی نظر سمجھا ہے
بے خبر سادہ دلی اس کو کہا کرتے ہیں

۸۵

بوتل میں کرو بند کہ مٹھی میں چھپاؤ
پھولوں کی مہک پھر بھی چھپائے نہیں جاتی

۸۶

اب راز و فسوں عشق و محبت کی کہانی
پوچھے جو کوئی مجھ سے سنائے نہیں جاتی

۸۷

برگد کا کوئی پیڑ یا بارش کی پھواریں
دانستہ بھی چاہوں تو بھلائی نہیں جاتی

۸۸

ہزاروں سال کی تاریخ اپنی
یاں مدفون ہے ہر شخص کے دل میں

۸۹

کچھ اصولوں کا نشہ، کچھ اور بھی اسباب تھے
ورنہ سب ہو جاتے پورے جو سنہرے خواب تھے

فارسی اشعار کے منظوم تراجم

روبرو بودن ندارد لذتی
بهتر آن باشد که در پهلو بود

روبرو ہونے میں وہ لذت کہاں
بہتر ہوتا ہے کہ وہ پہلو میں ہو

ما قصۂ سکندر و دارا نخوانده ایم
از ما بجز حکایت و مهر و وفا مپرس

ہم نے کبھی سکندر و دارا نہیں پڑھا
ہم سے سوا حکایتِ مہر و وفا نہ پوچھ

عالم خدا کے واسطے کہدو جو دل میں ہے
بزمِ سخن میں آج کا سردار میں ہی ہوں

پروفیسر محمود عالم کا مجوعہ ''متاعِ حق'' چراغ محبت، دلکشا اور دلنواز بھی ہے۔ یہ ان کی نشو و نمائے آرزو کا استعجاب ہے اور امتیاز بھی۔ وہ فارسی زبان و ادب کی تدریس سے وابستہ رہے۔ سبکدوشی کے بعد مادری زبان میں تخلیق ایک خوش آئند مراجعت ہے۔ راقم انھیں آفریں باد کہتا ہے، انھوں نے میری حیرتوں میں اضافہ کیا ہے کیوں کہ کسی فارسی استاد کا اردو میں قابلِ قدر شعری مجموعہ نظر سے نہیں گزرا۔ اردو کو خاطر میں لانا قلب ونظر کی کشادگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ ایک لسانی بوالعجبی ہے کہ اردو کے دو عظیم شاعر اردو کو بے رنگ یا منت پذیر شانہ ہی سمجھتے رہے، مگر دونوں کی مقبولیت کا مصدر اردو ہی ہے۔ آج دونوں عظیم سخنوروں کی فارسی شاعری نگہ نارسا کی زد میں ہے۔

پروفیسر موصوف نے ایک نئی طرح ڈالی۔ اس ادائے خاص کے لئے میں انھیں تبریک وتہنیت پیش کرتا ہوں۔ پایانِ عمر کی یہ تخلیق دامنِ دل کو نور و سرور بخشتی ہے اور قاری کو سرشار بھی کرتی ہے۔ پروفیسر محمود عالم نے زبان کی رعنائیوں کا خاصا اہتمام کیا ہے۔ شعر کو جذب وجنون میں ڈھال کر تاثرات کے مرقعے تراشے ہیں۔ ان میں قدروں کا پاس و احترام تخلیق کی کرشمہ ساز کیفیات سے مربوط ہے:

یہ نظامِ شمس و قمر ہے کیا مرے رب کی ساری کرامتیں
پسِ پردہ ربِّ جلیل ہے وہی رب ہے لیل و نہار کا

ہمارے شعر میں وحدت کی بات ہوتی ہے
کرو جو غور پیامِ رسول کہتا ہوں

اسی کا فیض ہے جس نے ہمیں بھی جدت دی
اسی کو شعر کا شانِ نزول کہتا ہوں

انہی اقدار میں محبت کی رسمیں اور بنی نوع بشر سے رفاقتیں بھی حسنِ بیاں سے معمور ہیں۔ ان میں جمال آفرین کے مختلف کوائف قاری کو متاثر کرتے ہیں۔ فنکار کا درون بینی اور سوز وساز کے ساتھ ہم سفر ہونا شرط ہے۔ لطفِ سخن کا یہی رمزِ نشاط ہے۔

پروفیسر عبدالحق، سابق صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی